ماهنامه

حلیۃ

فیصل آباد
پاکستان

رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ بمطابق اگست، ستمبر 2010ء



مدیر اعلیٰ وسرپرست

ابنِ نفیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

بحضورِ ساقیٔ کوثر صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

اللہ اللہ ! محمّد ترا نام اے ساقی
اَن گنت تجھ پہ دُرود اور سلام اے ساقی

بعد اللہ کے ہے تیرا مقام اے ساقی
کِس کی جرأت ہے کرے اِس میں کلام اے ساقی

از ازل تا بہ ابد تیری ہی سرداری ہے
سیّدُ الکُل ہے تُو، ہے سب کا اِمام اے ساقی

آلِ اطہار رض کے صدقے ہو عطا اِک ساغر
اِک پیالہ پئے اصحابِ کرام رض اے ساقی

خستہ جانوں سے کوئی پُوچھے حلاوت اِس کی
راحتِ جان وجگر ہے ترا نام اے ساقی

تجھ پہ اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا سلام
ہم غلاموں کی بھی جانب سے سلام اے ساقی

ایک اُمّیدِ شفاعت ہے فقط زادِ سفر
جس سے ہمّت سی ہے کچھ گام بہ گام اے ساقی

لاج رکھنا، کہ ترے رحم و کرم پر ہے نفیسؔ
ہے ترے در کا غلام ابنِ غلام اے ساقی

كلمة الحبيب

بے ترتیب نوحہ

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

الحمد لله وسلام علیٰ عباده الذین اصطفیٰ

فلک اُن کو عطاء کی ہے خواجگی کہ جنہیں
خبر نہیں سلیقۂ بندہ پروری کیا ہے

یوں اگر لکھنے بیٹھیں تو پوری امت کا نوحہ لکھا جاسکتا ہے کہ یہ امت کیا تھی اور اب کیا ہوگئی۔ مگراس کے لئے وقت اور ذہنی مشقت کی ضرورت ہے، جس کا حق ادا کرنا کارِ دارد ہے۔ ہم صرف برصغیروہ بھی اس میں اپنے ملک کا نوحہ لکھنا مناسب سمجھیں گے۔

کبھی وہ دور تھا کہ مسلمان اس خطے میں فاتح بن کر داخل ہوئے اور ایک ہزار سال تک یہاں بلاشرکت غیرے حکومت کی۔ اصولی طور پر دیکھا جائے تو یہ خطہ ایک مفتوحہ قوم کا ہے۔ مسلمان سندھ اور پشاور کے ذریعہ اس خطے پر فاتح بن کر داخل ہوئے۔ سوائے ان خاندانوں یا برادریوں کے جو کہ فاتحین کے ساتھ آئے سب کے سب مفتوحین میں ہیں۔ مسلمانوں نے یہاں آ کر اپنا مذہب، اپنا تمدن، اپنا اخلاق، اپنا قانون دیا اور پورے کے پورے برصغیر میں اسلام کی ایسی شمع روشن کی کہ وہ نصف النہار کے سورج کی طرح پورے آب وتاب کے ساتھ چمکنے لگی۔

تاریخ میں اگر جھانک کر دیکھا جائے تو ہمیں ایک ایسا برصغیر نظر آتا ہے، جس میں امن ،آشتی، بھائی چارہ، معاشی خوشحالی اور آسودگی کی جھلک نظر آتی ہے۔ جس میں نوے فیصد کے قریب لوگ زیور تعلیم سے آراستہ نظر آتے ہیں۔ ملک کے طول وعرض میں مدرسوں، مکتبوں، خانقاہوں اور مساجد کا جال بچھا ہوا ملتا ہے۔ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی اپنی استطاعت کے مطابق ان سے فیض یاب ہوتے نظر آتے ہیں۔ جس کی تصدیق باہر سے آنے والا ہر سیاح کرتا ہے۔ کوئی قریہ ،قصبہ ایسا نہیں جہاں اس زمانے میں ہر فرد کا حق اس کے گھر نہ پہنچا دیا گیا ہو۔ لارڈ میکالے کا وہ مشہور فقرہ جو برصغیر کی تاریخ کی کئی صدیوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے وہ یہ ہے کہ ’’یہاں نہ کوئی بھیک مانگنے والا

نظر آتا ہے اور نہ کوئی چور"۔ اور سب سے بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ قطب الدین ایبک جو کہ ۱۲۰۶ء میں ہندوستان آیا اس کے بعد سے ۱۸۵۷ء تک ان تمام امور کے نفاذ کے لئے نہ کسی منظّم فوج کی ضرورت پڑی اور نہ کسی چھاؤنی کے بنانے کی ضرورت۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں امن وامان اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پولیس کے محکمے کی خاطر کبھی خزانے پر بوجھ نہیں پڑا۔

صنعت وحرفت کا یہ عالم تھا کہ الیگزنڈر ہملٹن کے بقول ایک درمیانے درجہ کے شہر میں پچاس ہزار اعلیٰ کے کپڑا بننے والے کاریگر کام کرتے تھے۔ لکھا ہے کہ ایک تاجر عبدالغفور کا سرمایہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے برابر تھا۔ ہندوستان سے مال لدے ہوئے جہاز جب برطانیہ کی بندرگاہوں پر پہنچتے تھے تو ان کی تعداد اس قدر ہوتی کہ یوں لگتا جیسے کسی فوج نے حملہ کر دیا ہے۔ جہاز بنانے کی صنعت اس قدر ترقی پذیر اور کم لاگت ہوتی کہ انگریزی دور میں صرف ہندوستان ہی میں جہاز بنتے، خواہ جنگی ہوں یا تجارتی۔ دہلی کی مشہور سٹیل مل پندرہ سو سال پرانی تھی، ۱۸۸۰ء تک اس سے بڑی مل دنیا میں نہیں تھی۔

زراعت تو اس ملک کا خاصہ تھی ہی، جبکہ اس ملک سے اس قدر کپڑا اور مصالحہ جات اور قیمتی پتھر بیرون ملک جاتے کہ اس کے مقابلے میں درآمدات کا حجم تیس فیصد سے بھی کم ہوتا۔

ہمارا حال یہ ہے کہ جب بھی ہمارے ہاں یورپ سے کوئی علمی، سیاسی اور سائنسی شخصیت آتی ہے ہم اس سے مرعوب ہو جاتے ہیں، ہم اس سے سیاسی، معاشی، تہذیبی اور سائنسی بہتری کے گُر سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تما چیزیں ہمارے پاس موجود تھیں، ان سب کو انگریز نے آ کر تباہ کیا تھا۔ برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے پہلے ہم ایسے نہ تھے۔ صرف تعلیمی حالت کا جائزہ لیں تو حیرانی ہو گی۔ کیپٹن الیگزنڈر ہملٹن جو اورنگزیب کے زمانے میں ہندوستان آیا، اس نے ٹھٹھہ کے متعلق اپنے سفرنامے میں تذکرہ کیا ہے کہ صرف ٹھٹھہ شہر میں مختلف علوم وفنون میں چارسو مدارس تھے۔ (مدارس سے مراد صرف دینی مدارس نہیں بلکہ صنعت کے کام کو سکھانے والے ادارے بھی ان میں شامل ہیں)۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دہلی، آگرہ، کلکتہ، بمبئ وغیرہ میں کیا صورت حال ہو گی۔ جیمیس گرانٹ نے بنگال اور بہار کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی آمدن کا ۲۳ فیصد تعلیم پر خرچ ہوتا تھا۔ ایک چھوٹے سے شہر روہیل کھنڈ میں پانچ ہزار اساتذہ تھے جو کہ مختلف مدارس میں پڑھا رہے تھے۔ اور سب کی تنخواہیں والیٔ ریاست حافظ رحمت خان ادا کرتے تھے۔ محمد شاہ تغلق کے دور میں صرف دہلی شہر میں ایک ہزار مدرسے تھے۔ میکس مولر کی رپورٹ کے مطابق صرف بنگال میں انگریزی عملداری سے قبل اسی ہزار

مدرسے تھے۔ یوں چارسو کی آبادی پر ایک مدرسہ قائم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۹۱۱ء میں انگریزوں نے مردم شماری کی تو کلکتہ سے لے کر پشاور تک شرح خواندگی پچانوے فیصد تھی۔ مگر انگریز کو مسلمانوں کا قائم کردہ یہ نظام تعلیم پسند نہیں آیا۔ اس نظام تعلیم میں صنعت و حرفت کے ساتھ ساتھ جذبہ جہاد بھی پروان چڑھتا تھا۔ چنانچہ انگریز نے اس پرانے نظام تعلیم کو ختم کر کے ایک نیا نظام تعلیم نافذ کیا جو کہ ملکی ترقی کی بجائے صرف اور صرف انگریزی کے مترجم پیدا کرتا۔ چنانچہ انگریز یہاں پر تعلیم کا معیار ۹۵ فیصد سے ۱۵ فیصد تک لے آیا۔ انگریز نے آنے کے بعد وہ تمام تعلیم گاہیں ناپید کر دیں۔

جہاں پر ہندوستانیوں میں صنعتی اور سائنسی ترقی عروج پر تھی اس کو بند کر کے اپنے حکم نافذ کرنے کے لئے مترجم پیدا کئے۔ اپنی زبان نافذ کر کے اپنا قانون اپنا کلچر دیا تا کہ اس کو ان مترجموں کے ذریعہ برصغیر کے عوام پر ٹھونسا جائے۔ لارڈ میکالے نے کہا تھا ''ہمیں ایک ایسی نسل بنانی ہے جو ہمارے اور ہندوستانیوں کے درمیان مترجم ہو، یہ خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر مزاج ، رائے اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو'' چنانچہ ہمارے ملک میں بھی تعلیم کا مقصد یہی نظر آ رہا ہے۔ ہمارا سارا نظام تعلیم ایک ایسی نسل تیار کرنے میں لگا ہوا ہے جس میں ذہانت ، اختراع، علم اور جستجو نہ ہو بلکہ وہ ایک ایسی زبان اور تہذیب میں اٹھنا بیٹھنا ،سوچنا سیکھے جو مغرب میں ہے اور آخر کار وہ مغرب میں جا کر آباد ہونا اپنی آخری منزل سمجھے۔

دنیا کی ہزاروں سال کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی قوم نے کسی غیر کی زبان میں تعلیم حاصل کر کے ترقی کی منزلیں طے کی ہوں۔ چھوٹے چھوٹے ملکوں میں اپنی زبان ہی میں نرسری سے لے کر پی ، ایچ ، ڈی تک تعلیم دی جاتی ہے۔ ہالینڈ، ناروے، ڈنمارک وغیرہ میں یہی کچھ ہوتا ہے ،ان میں کوئی نہیں کہتا کہ جب تک انگریزی نہ ہوگی ہم ترقی نہیں کر سکیں گے۔ چین ، جاپان اور جرمنی نے اپنی تباہ حال معیشتوں سے نکلنے کے لئے انگریزی کا سہارا نہیں لیا۔ اسی طرح فرانس سمیت تمام یورپی ملکوں نے اپنی ہی زبانوں کی وجہ سے ترقی کی۔

ہم اگر برصغیر میں انگریزی دور پر غور کریں تو اس نے یہاں آ کر کچھ ترقیاتی کام بھی کئے ،اس نے یہاں سڑکیں بنوائیں ، ریل گاڑی کا اجرا کیا۔ اگر چہ ان کاموں کا مقصد اپنی فوج کے لئے پوری ہندوستان میں آسانی پیدا کرنا تھا مگر اس کا فائدہ یہاں کے عوام کو بھی ہوا۔ اس کے ساتھ اس نے اپنے نظام تعلیم کو رائج کرنے کے لئے کالج سکول کھولے۔ اس میں وہی تعلیم دی جس میں انگریز کی

غلامی ہی کا سبق تھا۔مگر اس نے کم از کم میرے علم کے مطابق کوئی سائنس کالج نہیں کھولا۔جس میں یہاں کا کوئی فرد سائنس پڑھ سکے۔

اس کے نظام تعلیم نے کلرک نما ایک نسل پیدا کی جو کہ انگریز کی زبان سیکھ کر اس کے قانون پر عمل درآمد کرانے میں اس کی معاونت کرتی تھی۔

دوسری نسل اس نے اپنے چاکروں کی پیدا کی،جس نے اس کے گھوڑوں کی مالش اور اس کے کتوں تک کو نہلانے کا کام سرانجام دیا۔

تیسری نسل اس نے ان لوگوں کی پیدا کی جنہوں نے اپنے مسلمانوں کو جو انگریز کے غدار تھے ان کی مخبریاں کر کے ان کو گرفتار کرایا۔اور مالی مفاد حاصل کیا۔پھر انہی کی نسلوں کو انگریز نے ،سر ،نواب، خان بہادر، مخدوم، کا خطاب دے کر ان کو جاگیریں عطاء کیں۔اور پھر ہندوستان کی تقسیم کے بعد ملک کی باگ ڈور انہی کے ہاتھوں میں دیدی۔

چنانچہ انہوں نے قیام پاکستان کے وقت انگریز کی وفاداری کا حلف اُٹھایا، بڑے عہدوں پر انگریزوں کے وفاداروں کو بٹھایا، بلکہ ہماری پاک فوج کے چیف آف آرمی سٹاف سے لیکر کیپٹن کے عہدے تک انگریز افسر مقرر کیئے۔

اور جن لوگوں نے آزادی کی خاطر ماریں کھائیں، جیلیں آباد کیں، ہڈیاں تُڑوائیں، پھانسیاں چڑھ گئے ،وہ لوگ آج بھی اسی طرح جیلوں میں ہیں،ہڈیاں تُڑوا رہے ہیں، پھانساں ان کی مقدر ہیں۔

ہندوستان کی ہندو حکومت سے ہمیں لاکھ اختلاف سہی مگر جب جواہر لال نہرو نے وزارت عظمٰی سنبھالی تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس نے ہندوستان کی فوج میں سے چیف آف آرمی سٹاف سے لے کر کیپٹن تک فائز تمام انگریز افسروں کو فارغ کر دیا۔

ایک ہندو جس کا نام ''کری آپا'' تھا اس کو چیف آف آرمی سٹاف مقرر کیا۔ ہندوستان کے کسی ہندو یا مسلمان نے انگریز کی وفاداری کا حلف نہیں اٹھایا،اسی لئے انہوں نے بہت جلد اپنا آئین بنا کر انگریز گونر جنرل کی چھٹی کرادی اور ایک جمہوری نظام نافذ کر دیا،جس کا صلہ یہ ہے کہ آج وہ اپنی مرضی سے دنیا سے اپنا موقف منوالیتے ہیں۔

جبکہ ہمارے ہاں بدقسمتی سے وہی لوگ ہماری قسمت کے مالک ہیں، جو غیر ملکی آقا کے نہ

صرف غلام ہیں بلکہ اس کی زبان کے مترجم ہیں، جو حکم وہ اپنی زبان میں دیتا ہے اس کا ترجمہ کر کے ہمیں نہ صرف سناتے ہیں بلکہ اس پر عمل درآمد کرنے کے لئے اپنے ملک کے نہتے عوام کے ساتھ آگ اور خون کی ہولی کھیلتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا ملک آفات سماوی میں گھر چکا ہے۔ دنیا کے غیر ملکی حکمرانوں کو راضی کرتے ہوئے ہم اپنے اللہ کو تو ناراض کر بیٹھے تھے مگر آج ہمارا وہ غیر ملکی حکمران بھی ہم پر بھروسہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ غیر یہ سوچتا ہے کہ جو اپنے خدا کا نہیں ہوسکا وہ میرا وفادار کیسے ہو سکتا ہے۔ ہمارے ملک میں کھانے پینے کی اشیاء مہنگی ہو چکی ہیں۔ بجلی، گیس، اور پٹرول بھی کی بھی کمی ہے۔ امن وامان کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔

عجیب بات ہے کہ ہم لوگ غیروں کی چاکری کر کے پھر شکوہ کرتے ہیں کہ ہماری خدمات کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ امریکہ اور یورپ نے کبھی ہمارے ساتھ وفا نہیں کی۔ یہ وفا اور بے وفائی کا معاملہ برابری کی بنیاد پر ہوا کرتا ہے، جہاں صرف تابعداری ہی ہو وہاں پر بے وفائی کا طعنہ نہیں دیا جاتا۔ آج دیکھا جائے تو ہم سب کچھ قربان کرنے کے باوجود مجرم ٹھہرائے جاتے ہیں۔ ہم پر شک ہی نہیں یقین کے بنیاد پر عدم اعتماد کیا جاتا ہے۔

ہم اپنی فوج مروا رہے ہیں، ہم اپنے عوام قتل کروا رہے ہیں، ہم اپنی عمارتیں زمین بوس کروا رہے ہیں، ہم نے اپنے پورے ملک کو مقتل بنا رکھا ہے۔ اس کے باوجود ہم مجرم ہی ٹھہرائے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ صاف ہے کہ ہم لوگوں کو آزادی نہیں دی گئی تھی بلکہ ہمیں غیروں نے اپنی زبان کا مترجم، اپنے کلچر کا محافظ، اور اپنے قانون کے نفاذ کا ذمہ دار بنا کر ہمیں ان کو فروغ دینے کا پابند کیا ہوا ہے۔

ہم نے اس کے بدلے میں ڈالروں کے عوض اپنی نسلوں تک کو گروی رکھ دیا ہے۔ جب تک ہم لوگ غیروں کے دیئے ہوئے نظام، کلچر، اور زبان کو چھوڑ کر اپنی زبان، اپنے کلچر، اپنے مذہب، اپنے قانون کے پابند نہ ہونگے اس وقت تک ہمارے ساتھ یہی کچھ ہوتا رہے گا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَایُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْ مَابِاَنْفُسِہِم۔

اسی کو شاعر مشرق اقبال مرحوم نے اپنے انداز میں یوں کہا ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اٹھی حالت کے بدلنے کا

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ چند نقوش و تاثرات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

بانیٔ احرار، صدر احرار، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کی یاد میں ۱۹۷۵ء میں دہلی میں ایک سیمینار منعقد ہوا تھا، جس میں مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے یہ تحریر پڑھی تھی۔ یاد رہے کہ رئیس الاحرارؒ کا انتقال ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کو دہلی میں ہوا اور جامع مسجد دہلی کے ساتھ مدفون ہیں۔ ستمبر میں وفات کی مناسبت سے یہ تحریر شائع کی جا رہی ہے۔

حافظے پر زور ڈالنے سے یاد آتا ہے کہ مولانا کی سب سے پہلی زیارت ۲۹ء یا ۳۰ء کو لاہور کے ایک جلسہ عام میں ہوئی تھی جو مجلس احرار کے زیر اہتمام بیرون دہلی دروازہ یا موچی دروازہ منعقد ہوا تھا، غالباً مجلس احرار کی بنیاد بھی اس وقت نئی نئی پڑی تھی۔ پہلے روز جلسے میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر ہوئی، انہوں نے حاضرین جلسہ کو جو ہزاروں کی تعداد میں تھے، یہ مژدہ سنایا کہ کل فلاں گاڑی سے صدر مجلس احرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ آ رہے ہیں، آپ لوگ اسٹیشن پر ان کا استقبال کریں۔ یاد نہیں کہ اس سے پہلے یہ نام کانوں میں پڑ چکا تھا یا نہیں۔ قرینہ ہے کہ ضرور پڑھ چکا ہوگا، اس لئے کہ ۲۶ء، ۲۷ء ہی سے ''زمیندار'' نظر سے گزرتا تھا اور ہم لوگ لکھنؤ میں اس کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ یہ بات بہت بعید از قیاس ہے کہ اس کے صفحات پر اس مجاہد جنگ و سرخیل احرار کا نام بار بار نہ آیا ہو۔ ٹھیک یاد نہیں غالباً ۳۶ء ہوگا میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی فرائض انجام دیتا تھا، اسی زمانے میں سیرت سید احمد شہید لکھنے کا خیال پیدا ہوا میں اپنے ایک عزیز شاگرد کے ساتھ لکھنؤ سے ہردوئی کے لئے پنجاب میل میں سوار ہوا، اسی درجہ میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ بھی سفر کر رہے تھے، کشیدہ قامت، چہرہ سرخ و سفید، پیشانی اور آنکھوں سے ذہانت اور اعتماد کا اظہار، غالباً میرے بھائی صاحب ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی صاحب سے لکھنؤ میں وہ بار بار مل چکے تھے، اسی تقرب سے میری طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کا ذکر آیا، فرمایا کہ ہمارے بزرگ مولانا عبدالقادر

صاحبؒ اور ان کے شیخ و مرشد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ جن کی رائے پور میں خانقاہ ہے، سید صاحبؒ کے بڑے معتقد تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق دلایا، پوری گفتگو یاد نہیں۔ اس کے بعد وہ وقت آیا کہ جب میرا رائے پور سے خصوصی تعلق پیدا ہوا اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد حاضری کی سعادت حاصل ہونے لگی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ مولانا حبیب الرحمٰنؒ کے آنے سے بہت خوش ہوتے ہیں، ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جس میں محبت واحترام دونوں شامل ہیں، لیکن محبت کا پلہ بھاری ہے، اپنی چارپائی کے سامنے ان کے لئے چارپائی بچھواتے ہیں، تکیئے رکھواتے ہیں، حضرت کی مجلس میں کم لوگ اتنی بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں جتنی مولانا۔

حضرتؒ ان کی باتیں بغور سنتے ہیں وہ بھی حضرتؒ کا احترام شیخ و مرشد کی طرح کرتے ہیں لیکن اس میں بھی محبت اور ناز کی ایک آمیزش ہوتی ہے جو نتیجہ ہے قدیم نیازمندی کا، بڑے حضرت رائے پوریؒ سے براہ راست تعلق، اور بزرگان لدھیانہ، خصوصًا مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانویؒ کی دینی خدمات، مجاہدانہ جذبات، حمیت دینی اور ایثار وقربانی کا۔ جس کا حضرتؒ کے یہاں بڑا درجہ اور اعتراف تھا۔

بعض مرتبہ مولاناؒ کی گفتگو، ان کے نقطہ نظر اور ان کے تبصرے بہت سے حاضرین مجلس کے لئے نامانوس، اور بعض اوقات وجہ آزمائش بن جاتے، لیکن حضرتؒ کا ان کے ساتھ طرز عمل دیکھ کر کسی کو تردید یا مناظرہ ومباحثہ کی جرأت نہ ہوتی۔ البتہ بعض بے تکلف شرکاء جن کا بڑے حضرتؒ سے قربت کا تعلق بھی تھا اور حضرتؒ بھی ان کی دلداری فرماتے تھے کچھ سوال وجواب کر لیتے اور کبھی کچھ سخن گسترانہ باتیں بھی ہو جاتیں۔ لیکن سب احتیاط واعتدال کے ساتھ۔ ایک بار اس کا بھی موقع آیا کہ حضرتؒ کا قیام خاص مولاناؒ کے مکان واقع کوچہ رحمٰن بلیماران دہلی میں ہوا۔ یہاں ہفتے ہفتے، عشرے عشرے، قیام رہتا، راقم السطور کو بھی دو ایک بار معیت کا شرف اور مولانا کا مہمان بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولاناؒ، حضرت کے معمولات، ضروریات اور مزاج ومذاق سے پوری طور پر واقف تھے اور اس کی رعایت فرماتے تھے، حضرتؒ بھی اس قیام پر خصوصی یگانگت کی بنا پر بہت منشرح اور بے تکلف ہوتے۔ بڑی پُر لطف مجلسیں رہتیں، جن میں حالات حاضرہ، دینی وملی سیاست، پرانے تجربات وحقائق

اور اصلاحِ نفس و اصلاحِ باطن کی لطیف آمیزش ہوتی تھی۔ حضرتؒ کا قیام جب قصاب پورہ (نواب والی مسجد) میں ہوتا اور وہ اکثر طویل ہوتا تو صبح ہواخوری کے وقت (جو اکثر پرانی عیدگاہ کی طرف ہوتی) مولاناؒ ساتھ ہوتے اور بے تکلف گفتگو فرماتے رہتے، حضرتؒ بھی اس سے لطف لیتے۔ بعض خدام جن میں یہ راقم آثم بھی شریک ہے مولاناؒ کے بعض خیالات سے اتفاق نہ کر سکتا، ادب کے ساتھ اس سے اختلاف کرتا۔ واپسی تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ لیکن کسی تلخی اور تجاوز عن الحدود کی نوبت نہ آتی، حضرتؒ کی گفتگو اکثر قول فیصل کا کام دیتی اور احباب و خدام کے اس شیرازے کو مجتمع رکھتی۔ دہلی کے قیام کے زمانے میں مولاناؒ زیادہ سے زیادہ وقت حضرتؒ کی خدمت میں گزارنے کی کوشش کرتے اور حضرتؒ کو بھی گویا ان کا انتظار ہی رہتا۔

حضرت رائے پوریؒ جب لکھنؤ تشریف لاتے اور طویل قیام فرماتے اور ایسا ۳، ۴ بار ہوا، تو اکثر مولاناؒ ساتھ ہوتے یا بعد میں آکر شامل ہو جاتے۔ ایسا ایک دو بار دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانے میں اور دو تین مرتبہ تبلیغی مرکز واقع کچہری روڈ میں ہوا، اس وقت مجالس کا لطف دوبالا ہو جاتا۔

حضرتؒ کا مولاناؒ اور ان کے خاندان سے کیا تعلق تھا کس طرح ان کو اس خاندان کا بچہ بچہ عزیز تھا کس خوشی سے لدھیانہ تشریف لے جاتے اور ان کے یہاں قیام کرتے، مجلس احرار کے ساتھ آپ کا کیا مربیانہ و سرپرستانہ تعلق تھا، مولاناؒ کے جیل جانے سے (جس کی نوبت اکثر پیش آتی تھی) حضرتؒ کو کس قدر فکر اور تعلق خاطر پیدا ہو جاتا اس سب کی تفصیل سوانح حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ میں آ گئی ہے، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مولاناؒ کے سیاسی خیالات و نظریات سے پورا اتفاق نہ ممکن تھا نہ ضروری، ان کے خیالات و رجحانات سے بھی جو ان کے ذاتی تجربوں اور خاص طرح کی تربیت و ماحول سے پیدا ہوئے تھے ہم آہنگی بھی کسی معاصر کے لئے خواہ وہ خرد و نیاز مند ہو ضروری نہیں لیکن جس چیز میں زیادہ قیل وقال کی گنجائش نہیں وہ ان کا جذبہ حریت، انگریز دشمنی، وطن دوستی اخلاقی بلندی، شخصیت کی دل آویزی اور ایک خاص طرح کا قائدانہ بانک پن ہے جو خود اعتمادی، پاکیزہ زندگی اور خلوص کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

ان چند سطروں کو لکھ کر یہ نیاز مند بھی اس جرم میں شرکت کی سعادت حاصل کرتا ہے جو مولاناؒ کے ذکر خیر کے لئے سجائی گئی ہے۔ غفر اللہ لہ والحقہ با بائہ الصالحین و شیوخہ المقبولین

ابوالحسن علی، ناظم ندوۃ العلماء و صدر مدرس ندوۃ العلماء لکھنؤ/ ۱۰ شعبان ۹۵ھ / ۱۸ اگست ۱۹۷۵ء

حضرت علی ہجویریؒ کی آرام گاہ کا تعین

حضرت علی ہجویریؒ جن کو گنج بخش کا نام سے یاد کیا جاتا ہے اوران کی آرامگاہ پر گزشتہ دنوں بم دھماکے ہوئے، جس کے نتیجہ میں پچاس سے زیادہ افراد جاں بحق ہوئے،

ان کی آرامگاہ کے متعلق تاریخ میں مختلف اقوال ملتے ہیں:

آپ کا سن ولادت ۴۰۰ھ مطابق ۱۰۰۹ء ہے۔ ۴۳۱ھ مطابق ۱۰۳۹ء تک جائے پیدائش غزنی (افغانستان) میں رہے۔

اس کے بعد اپنے مرشد ابوالفضل بن حسن الختلی کے ارشاد کے مطابق غزنی سے لاہور تشریف لے آئے۔(منظر عالم،ص:۲۸۹)

آپ نے جب لاہور کے گونر ''رائے راجو'' کو مشرف بہ اسلام کیا تو انہیں ''شیخ الہند'' کا خطاب و لقب دیا گیا۔

آپ نے ۳۴ سال کی عمر میں ایک خانقاہ اور ساتھ مسجد تیار کی، جو اب لاہور پاکستان میں ''داتا دربار'' کے نام سے مشہور ہے۔

اس کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ اسی خانقاہ میں مدفون ہیں۔اس لئے لوگ فیوض و برکات کے لئے یہاں حاضری دیتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ۱۹۵۸ء میں ایک بحث چلی تھی کہ کیا واقعی حضرت علی ہجویریؒ یہاں مدفون ہیں یا کسی اور جگہ۔اس کے متعلق چند روایات یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱):۔ ۱۲ر جنوری ۱۹۵۹ء کو ''آفاق اخبار لاہور'' میں ایک خبر شائع ہوئی کہ انارکلی بازار میں ایک چمڑے کے تاجر کو خواب میں بتایا گیا کہ شاہی قلعہ لاہور میں سمن برج اور کالا برج کے درمیان ایک پختہ قبر ہے، جب مذکورہ شخص نے اس کی کھدائی کی تو تین گز نیچے ایک پختہ قبر ملی ،جس پر ہشت پہلو خوبصورت گنبد بنا ہوا

ہے۔لوگوں کا خیال ہے کہ یہی حضرت علی ہجویریؒ کی آرامگاہ ہے۔

(۲):۔

سلطان عالم گیر کے بھائی شہزادہ داراشکوہ نے ''سفینۃ الاولیاء'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے ،جس میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ حضرت علی ہجویریؒ کا مزار شاہی قلعہ کی مغربی جانب ہے۔

(۳):۔

۱۹۵۹ء کے لگ بھگ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے بذریعہ کشف فرمایا کہ مجھے شاہی قلعے میں انوار برستے نظر آرہے ہیں،اور یہ انوار حضرت علی ہجویریؒ پر برستے ہیں،

حالت کشف میں سید علی ہجویریؒ نے حضرت لاہوریؒ سے فرمایا

''اصل ہجویری منم واُو ہم نام ما است واز شہر ما است،من لب دریا نشتہ بودم،ایں جا مردم وایں جا دفن کردہ شدم''

یعنی اصل علی ہجویری میں ہوں،وہ جو وہاں ہیں میرے ہم نام اور میرے ہم شہر ہیں، میں یہاں دریا راوی کے کنارے پر رہتا تھا،یہیں میرا انتقال ہوا اور یہیں مجھے دفن کیا گیا۔

(ماہنامہ نور علیٰ نور، ماہ مئی ۲۰۰۸ء)

(۴):۔

بعض نے لکھا ہے کہ یہاں پر مرزا شمس الدین کے خاندان کے ایک بزرگ نثارالدین مدفون ہیں۔کسی نے لکھا ہے کہ یہ مقبرہ موضع اوچ شریف کے رہنے والے کسی بزرگ ''جھولے شاہ بخاری'' کا ہے۔

اس کے برخلاف بعض مؤرخین کا اصرار ہے کہ یہی جگہ (داتا دربار) حضرت علی ہجویریؒ کی آرامگاہ ہے۔

سن وفات :بعض نے حضرت علی ہجویریؒ کا سن وصال ۴۰۵ھ مطابق ۱۰۱۴ء ،بعض نے ۴۲۷ھ مطابق ۱۰۷۹ء اور بعض نے ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۶۱ء لکھا ہے۔

روایت ہے کہ سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی ،اجمیریؒ نے یہاں تشریف لاکر چلہ کشی کی اور جاتے وقت یہ شعر پڑھا تھا:

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

العجالة في مسئلة اللحية و السبالة

داڑھی کے متعلق شرعی فیصلہ

آخری قسط

شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد انوریؒ

ڈاڑھی کا فلسفہ

ڈاڑھی مسلمانوں کا شعار قومی ہے۔شعار قومی کے معنی ایک علامت ونشان خاص کے ہیں جیسے کوئی قوم اپنے لئے مخصوص کرلے۔تاکہ دیگر اقوام سے امتیاز حاصل ہو۔دین کامل اور ملت طاہرہ نے ان اشیاء (ڈاڑھی رکھنا،مونچھیں کٹوانا) کو محض امتیازی شعار نہیں بنایا، بلکہ دیگر منافع سے بھی بنی نوع انسان کی خدمت کی ہے۔اس نے شعار کے لئے چند اصول مقرر کئے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں کہ حقیقی امتیاز کے لئے تین چیزوں کی اشد ضرورت ہے۔

(۱) ما کثر وجودہ (جس کا وجود بہت زیادہ ہو)۔

(۲) ما تکرر وقوعہ (جو واقعہ بھی بکثرت ہوسکتے ہوں)۔

مقصد یہ ہے کہ بسا اوقات کسی قوم کا کوئی فرد بوجہ طغیان وسرکشی یا بوجہ صحت اغیار کے اپنے قومی نشان کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔پھر اکثر ایسا ہوا ہے کہ تھوڑے دن کے بعد اس کی حالت درست ہوجاتی ہے۔اب اس کا دل ہر قومی چیز اور مذہبی علامت کو پیار کرتا ہے۔وہ مضطر ہوکر پھر ٹھیٹھ قومی شعار حاصل کرنا چاہتا ہے تو یہ فرض کرو کہ جس شعار کو اس نے چھوڑا تھا اگر وہ دوبارہ حاصل نہ ہوسکتا ہو۔تو وہ شخص کیسے اس کو دوبارہ حاصل کرسکتا ہے۔

مثلاً کوئی شخص امریکہ پہنچ کر اپنے اگلے دانت وہاں کی رسم کے مطابق نکلوادے تو واپس ہندوستان آکر اپنی قومی اور ملکی رسم یعنی دانت رکھنے کو کیسے حاصل کرسکتا ہے۔بخلاف ڈاڑھی کے کہ جو شخص اسے برا سمجھ کر منڈاتا ہے اسے جب کبھی مذہبی جوش اس شعار کے حاصل کرنے پر ابھارے گا۔تو

وہ چند ہفتوں میں حاصل کرسکتا ہے۔

(۳) ویکون ظاہرا (اس کا تعلق ظاہر ہو)۔

یعنی جس چیز کو شعار قومی مقرر کیا گیا ہے وہ ظاہر ہو۔ پوشیدہ اور باطن سے اس کا تعلق نہ ہو ڈاڑھی اس معیار پر بھی پوری اترتی ہے۔

اس کا تعلق ظاہر سے ہے یہ تین چیزیں تو وہ ہیں، جن سے نفس حقیقت امتیاز کی مکمل ہوتی ہے۔ جو اصول شعار کی پہلی اصل ہے۔ فوائد کی نسبت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

وفیہ فوائد جمۃ یقبلہ اذھان الناس اشد قبول (اور اس میں ایسے فوائد اور منافع ہوں کہ لوگوں کی طبیعتیں اچھی طرح قبول کر لیں)۔

الحاصل شعار قومی سے محض امتیاز ہی مقصود نہیں کیوں کہ ظاہر ہے کہ اگر وہ صرف نشان قومی ہوں اور ان میں فوائد نہ ہوں جیسے گلے میں دھاگا ڈال لینا یا ماتھے پر ٹیکا لگا لینا۔ اس میں بجز امتیاز اور کوئی فائدہ حاصل نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے جن چیزوں کو مسلمانوں کے لئے مذہبی نشان ''قومی شعار'' قرار دیا ان میں یہ باتیں پائی بھی جاتی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس پر بحث فرمائی ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ حدیث شعار میں پہلی چیز قص الشوارب (مونچھیں کٹوانا ہے)۔ اس میں پہلی تینوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ سب کو میسر آ سکتی ہیں۔ اس کا وقوع بھی بکثرت ہوسکتا ہے۔ ہر مکلّف ان کے کٹانے پر قادر ہے۔ تیسری بات یہ تھی کہ وہ ظاہر ہو تو تراشی ہوئی مونچھوں سے بڑھ کر اور کیا چیز محسوس اور ظاہر ہوگی۔ اب رہے منافع سو ان کے کٹانے میں جتنے منافع ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کوئی وجہ نہیں کہ اس سے اعراض کریں جن کی مونچھیں بڑھ جاتی ہیں تو پانی وغیرہ ان کے بالوں میں پھنس کر متعفن مادے، زہریلے کیڑوں کو پیدا کرتے ہیں، پھر چونکہ وہ ٹھیک اسی گذرگاہ پر واقع ہوتے ہیں، جس سے انسان سانس لیتا ہے اس سے

پھیپھڑوں اور قلب اور بسا اوقات دماغ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ پھیپھڑے تو آئے دن اکثروں کے خراب ہوجاتے ہیں۔ جسے آئے دن سل کی صورت میں ہم دیکھتے ہیں۔

اخیر میں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ شعار ہے۔

دوسرا جزء اعفاء اللحیۃ (ڈاڑھیاں بڑھانا ہے)۔

اس میں بھی تمام اصولی خصائص بوجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ باآسانی اکثروں بلکہ سبھی کو میسر بھی آسکتی ہے۔ اگر منڈ گئی تو باآسانی فورا حاصل بھی ہوسکتی ہے۔ تو اس کا وقوع بھی بکثرت ہوا، اور چونکہ ڈاڑھی چہرے پر ہے تو اس کا ظہور بھی یقیناً اور تمام چیزوں کے ظہور سے زیادہ ہے۔ آیا یہ کہ ڈاڑھی کے منافع کیا ہیں تو ہم حضرت شاہ صاحب کی توضیحات و کنایات پر بنظر اختصار کتفا کرتے ہیں۔ ورنہ مرتبۂ تفصیل میں اس کے لئے ایک طولانی دفتر درکار ہے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

(۱) اپنی ہستی کا احساس گو ایک بدیہی حکم ہے، ہر شخص جو زندہ ہے جانتا ہے کہ میں موجود ہوں۔ تاہم بسا اوقات اس کے صفات و کمالات جن احساسات کے مقتضی ہوتے ہیں اس سے اکثر اشخاص غافل ہوجاتے ہیں۔ بلکہ اس غفلت اور جمود کے باعث قوموں کی قومیں ایسی حالت میں پہنچ جاتی ہیں کہ وہ نہیں سمجھتے کہ میں کون ہوں۔ کہاں ہوں۔ کس مرتبہ پر مجھے رہنا چاہئے۔ اور آج میں کس مرتبہ پر ہوں۔ اس طرح اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک شخص جب جوان ہوتا ہے اس پر کبر سنی طاری ہوتی ہے تو فطری طور پر اس کا اقتضا ہونا چاہئے کہ وہ سمجھے میں بڑا ہو گیا ہوں۔ مجھ پر وہ فرائض عائد ہو گئے ہیں جو ایام طفلی میں نہ تھے۔ میری تمام حرکات نشست و برخاست بات چیت معاملات مخاصمات کے قوانین اب بچپن کے ضوابط سے بالکل الگ ہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا بسا اوقات انسان اپنے مراتب و مدارج سے غافل ہوجاتا ہے۔ اور اپنی ہستی کی خصوصیات بھلا دیتا ہے۔ حتی کہ بعض پیر نابالغی کے مدعی ہوتے ہیں۔ اور بہت سے جوان جنہوں نے تیس چالیس سال کی مسافت قطع کرلی وہ طفل نگشتی کے پورے مصداق بنے رہتے ہیں۔ ان کے ہر فعل طرز اداء رفتار گفتار سب ہی سے طفلگی کے

آ ثار نمایاں نظر آتے ہیں۔ وہ بالکل نہیں سمجھتے کہ میرے فرائض کہ یہ چیزیں خلاف شان ہیں۔ پس اس وجہ سے تمدن اور عمران کے اجتماعی ایوان کو بسا اوقات سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ اماں بھوکی مرتی ہے اور چہل سالہ صاحبزادے اپنے آپ کو چار سالہ خیال فرماتے ہیں۔ جب کہ ایک خوابیدہ امت سوئی ہوئی قوم کے لئے مصلح کی ضرورت ہے۔ کہ وعظ و تذکیر تقریر و تحریر کے اسلحہ سے اپنی قوم کو اس کو ہستی کا احساس کرائے۔ تو ٹھیک اسی طرح کبر سنی کے احساس کے لئے بھی واجب ہونا چاہئے کہ کوئی چیز جو ہمیشہ اس کو ہستی کے احساس پر ابھارے کہ تم اب بچے نہیں رہے۔ تمہاری عمر زیادہ ہوگئی ہے۔ تمہارے اعمال کی نوعیتیں اب بدل جانی چاہییں۔

غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاڑھی جس طرح انسانوں کو اس مسئلہ کی طرف اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، غرض ہر آن میں تنبیہ کرسکتی ہے، شاید کسی اور چیز سے ممکن نہیں۔ علی الخصوص جب کہ وہ ایک زبردست شعار بھی ہے۔ یہی ڈاڑھی کا مقصد ہے۔

شاہ صاحبؒ کی اس عبارت۔

فھی الفارقة بین الصغیر والکبیر (ڈاڑھی صغیر اور کبیر میں تفرقہ قائم کردیتی ہے)

روزانہ تجربہ کی بات کہ ڈاڑھی والے کو صرف اس کی ڈاڑھی کا حوالہ زبردست تازیانہ ہوتا ہے۔ وہ شرماتا ہے کہ میں ڈاڑھی والا ہو کر اب ایسے کام کروں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ڈاڑھی منڈے کو جب کہا جائے شرم کرو منہ پر ڈاڑھی ہے۔ تو جواب ملتا ہے کہ ہم نے رکھی نہیں جو شرم کرنی پڑے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت میں بہت سے دقائق مضمر ہیں۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ڈاڑھی بچے اور جوان میں امتیاز پیدا کرتی ہے۔ بلکہ صغیر اور کبیر کا لفظ فرمایا جس سے ایک معاشرتی مسئلہ بھی حل کرگئے۔ کہ فلسفۂ تہذیب و تمدن و معاشرت کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ چھوٹوں کو بڑوں کی عزت کرنی چاہئے۔ شریعت نے بھی اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

حدیث میں عظموا کبرائکم (عظمت کرو اپنے بڑوں کی)۔ بہرحال جب یہ مسلم ہے۔ تو فرض کرو

کہ تمہارے پاس ایسا شخص آیا جو تم سے عمر میں بڑا ہے۔ مثلاً تم بیس برس کے ہو وہ تیس پینتیس کا، لیکن چوں کہ اس کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں اس لئے بمشکل اس کا امتیاز ہوتا ہے۔ کہ وہ تمہارے برابر ہے۔ یا تم سے بڑا ہے لہذا تم اس کی حیثیت کے موافق تعظیم نہ کرسکو گے۔ جس کی وجہ سے بسا اوقات نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اور وہی اس کی کھلی نگہبان بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ وھی جمال الفحول (اور وہ ڈاڑھی مردوں کی خوبصورتی اور زینت ہے)۔ پہلے جس قدر باتیں ہوئیں ان کی بنا دو باتوں پر تھی۔

(۱) ڈاڑھی منڈانے یا کترانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ (۲) اور اس کے رکھنے میں بہت سے منافع ہیں۔ اس کے برخلاف آج کل ڈاڑھی منڈانے کا فائدہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے حسن بڑھتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس معارضے کا جواب دے رہے ہیں۔ ڈاڑھی مردوں کی خوبصورتی ہے پس اگر تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کرلیا جائے کہ ڈاڑھی منڈانے سے خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ بے انصافی ہے کہ اس کے صرف ایک پہلو پر نظر ڈالی جائے۔ ضرورت ہے کہ اس کے خطرات ونقصانات پر توجہ کی جائے، جیسا کہ بعض باتیں اوپر گذر چکی ہیں۔ علی الخصوص جبکہ اخسارہ کی صفائی عورتوں کی فطری زینت ہے تو مردوں کا بھی اس سے زینت حاصل کرنا ایسا ہے جیسے کوئی مرد کانوں بالیاں، ناک میں بلاق وغیرہ ڈال کر اپنے کو خوب صورت بنائے۔ حالانکہ اس کو کوئی مرد تجویز نہیں کر سکتا۔ تو بتاؤ ایک غیور حیا پرور شریف کس طرح تجویز کرے گا کہ جو زینت عورتوں کی ہے ان سے چھین کر خود استعمال کرنے لگے۔ اور جبکہ صورت حال یہ ہے کہ اس کے لئے خوبصورتی بھی باقی رہے اور عورتوں سے مشابہت بھی نہ ہو، اور ان نقصانوں سے بچا بھی رہے جو داڑھی کے منڈوانے میں ہیں۔ تو اس کے سواء اور کیا صورت ہوسکتی ہے کہ داڑھی رکھی جائے اور اس کی درستگی کا خیال رکھا جائے۔ جیسا کہ شارح علیہ السلام نے خود فرمایا کہ داڑھی کی تعظیم کرو، یعنی اس کو تیل لگاؤ، کنگھی کرو۔ اگر کسی کو شریعت کے احکام کی خوبیاں سمجھ میں نہ آئیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے نابالغ بچے کو نکاح کی خوبیاں اور لذت جماع سمجھ نہ آئے۔ پس اگر کوئی بچہ نکاح کی خوبیوں پر اعتراض کرے تو اس کا جواب

سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ تم ابھی نابالغ ہو، جب بالغ ہوگے تو خود بخود سمجھ جاؤ گے۔ یا مچلا ایک مریض عمدہ پکے کھانے کو بدذائقہ اور بے مزہ کہتا ہو تو اسے یہی جواب دیا جائے گا کہ تمہاری حسِ ذائقہ معتدل نہیں، جب تندرست ہوجاؤ گے تو یہ طعام بامزہ خوش ذائقہ معلوم ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح احکام شرعیہ پر اعتراض کرنے والے خواہ گریجوایٹ یا اور ڈگری یافتہ ہی کیوں نہ ہوں چونکہ احکام شرعیہ کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تو شریعت کی اصطلاح میں وہ نابالغ ہی ہیں۔ یا قوتِ ممیّزہ مریض ہے۔ جب تک احکام شرعیہ کا کورس پورا نہ کریں اور کسی طبیب روحانی کی صحبت نہ ہو بالغ نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا پہلے انسان باولغ ہو اور تندرست ہو پھر دیکھے دین کے احکام میں کس قدر خوبیاں ہیں۔

ہم نے اپنی بساط کے موافق مختصر طور پر مگر پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے داڑھی کا مسئلہ لکھ دیا ہے۔ اب آخر میں گذارش ہے کہ یہ تو مقام عشق و محبت ہے، بس جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر ادا اس کے دل کو کھینچتی ہے۔ پس جس کو محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت ہوگی ضرور داڑھی رکھے گا۔

اے اللہ تو اپنے فضل سے مسلمانوں کو نبی کے اوہ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور دونوں جہانوں کی سرخروئی مسلمانوں کو نصیب ہو۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمیں باد

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم، وتب علینا انک انت التواب الرحیم

فائدہ۔ جب ملک تقسیم ہوا تو احقر نے لائکپور (فیصل آباد) سنت پورہ میں قیام کیا۔ یہ حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کے حکم سے تھا۔ یہاں پر جڑانوالہ سے ایک بی۔ اے کا والا نامہ آیا کہ آج کل میرا نکاح ہونے والا ہے۔ میرے والدین مجھے مجبور کرتے ہیں کہ ڈاڑھی منڈا دے۔ مگر میں انکار کرتا ہوں۔ گذشتہ شب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرمارہے ہیں۔ کہ ہرگز نہ ڈاڑھی منڈانا میں تیری شفاعت کروں گا۔ اب میں آپ کا مشورہ لیتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟

میں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم فرمارہے ہیں پھر میرے مشورے کی کیا ضرورت ہے۔ نکاح تو آپ کا ہو ہی جائے گا۔ ڈاڑھی نہ منڈانا اور حضورا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت کو غنیمت جانو۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔

چنانچہ بعد میں پتہ چلا کہ ان کا نکاح ہوگیا۔ اور انہوں نے ڈاڑھی بھی نہیں منڈائی۔

رمضان المبارک

فضائل۔ برکات۔ ہمارے اسلاف

فضائل رمضان المبارک

ماہ رمضان المبارک امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیہ وسلام پر کیسے اول تا آخر خیر ہی خیر لیکر وارد ہوتا ہے، لہٰذا مسلمان مرد وعورت کو ماہ مبارک کو غنیمت جاننا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم ہستی جن کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے گئے تھے، وہ بھی دو ماہ قبل ہی سے رمضان المبارک کی تیاریاں شروع فرماتے تھے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رجب المرجب کا چاند دیکھتے تو فرماتے ''**اَللّٰھُمَ بَارِک لَنَا فِی رَجَبَ وَشَعبَانَ وبلّغنا إلیٰ رَمَضَان**'' کہ اے اللہ ہمارے لیے رجب اور شعبان میں برکتیں عطا فرمائیے اور ہماری زندگیوں کو رمضان تک دارز فرمادیجئے پھر بکثرت روزے رکھنا شروع کردیتے یہاں تک کہ اکثر شعبان کا پورا مہینہ روزے رکھتے ،اور رویت ہلال رمضان ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دن رات کی عبادت میں اضافہ ہوجاتا تھا جوہری جوہر کو پہچان سکتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی والاصفاتِ رمضان کی حقیقت کو جانتی تھی اور اس کی ویسی قدر بھی کرتی تھی۔

ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''**لو یعلم الناس ما لھم فی شھر رمضان لتمنوا أن تکون السنة کلّھا رمضان**'' اگر لوگوں کو رمضان المبارک میں اللہ کے طرف سے دیئے جانے والے اجر کا علم ہوجائے تو وہ تمنا کرنے لگیں کہ پورا سال رمضان ہوتو کتنا اچھا ہوتا؟ اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا یارسول اللہ ہمیں بتلانے کی زحمت فرمائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اِنَّ الجنة لتزین من الحول إلی الحول**

لـدخـول شهر رمضانَ، فاذا كانت اول ليلة من رمضان هبت ريح من تحت يسمع العـرش يـقـال لهـا المثيرة فتصفق ورق الجنان و خلق المصارح فيسمع ذالك طيـنـن لـم يسـمـع السامعون احسن فه فتزين الحور العين ثم يقفن بين شرف الجنة فيُـنـا دِيُـنَ: هـل مـن خـاطـب لنا إلىٰ اللّٰه فيزوجه؟ ثم يقلن: يا رضوان ما هذه اللية؟ فيجيبهن با لتلبية:يا خيرات حسان، هذه أول ليلة من شهر رمضان، فتفتحت أبواب الـجـنـان صائمين من امة محمد صلى الله عليه وسلم، و يـقـول الله تعالىٰ: يا رضوان افتـح أبـواب الـجـنـان للصائمين و القائمين من أمة محمد صلى الله عليه وسلم ولا تغلقها حتىٰ ينقضى شهر هم هذا.

رمضان کے استقبال کے لیے ایک سال تک جنت کو مزین کیا جاتا ہے جب رمضان المبارک کا ہلال افق سماء پر جلوہ گر ہوتا ہے،تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا جاری ہوتی ہے، جس کو مَسِیرہ کہا جاتا ہے، وہ ہوا جنت کے درختوں سے جب ٹکراتی ہے، تو ایسی بہترین آواز نکلتی ہے کہ اس جیسے آواز کسی نے کبھی سنی نہ ہوگی ، دوسری جانب حورعین بننا سورنا شروع کر دیتی ہیں اور پھر وہ جنت میں ٹیلوں پر چڑھ جاتی ہیں اور ندا لگاتی ہیں کہ کوئی ہمارے ساتھ نکاح کا خواہشمند ہے جس کا نکاح اللہ ہم سے کر دے، پھر جنت کے داروغہ رضوان سے پوچھتی ہیں، کہ یہ کونسی رات ہے؟ رضوان کے جواب دینے سے پہلے وہ خود کہنے لگتی ہے اور گنگنانے لگتی ہے۔

اے مجسم خیرات وحسان یہ ہے شب رمضان آج کھول دیئے جائیں گے ابواب جنان (جنت کے دروازے) امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صائمین کے لیے اور اللہ رب العزت رضوان داروغہ جنت کو حکم دیتے ہیں کہ اے رضوان ! جنت کے دورازے کھول دو امت محمد یہ کے روزے دار وں اور شب بیداروں کے لیے اور ماہ مبارک کے اختتام تک اسے بند نہ کرنا۔

فـإذا كـان اليـوم الثـانـى اوحى الله تعالىٰ إلى مالـك خازن النار يا مالـك أغـلـق أبـواب الـنـيران عن الصائمين و القائمين من أمة محمد عليه أفضل الصلوة و الـسـلام و لا تـفـتـحـهـا حتـىٰ يـنـقضى شهرهم هذا،فإذا كان فى اليوم الثالث أمر الله جبـريـل عـلـيـه الـسـلام ان اهبـط إلىٰ الأرض فصفد مردة الشياطين و عتاة الجن، و

غلّهم فی أغلال، ثم اقذف بهم فی لجج البحار کی لا یفسدوا علیٰ امة محمد حبیبی صیامهم۔

پھر جب رمضان کی دوسری تاریخ شروع ہوتی ہے تو اللہ رب العزت مالک داروغہ جہنم کو حکم دیتے ہیں، کہ جہنم کے دروازے امت محمدیہ کے روزہ داروں اور شب بیداروں کے لیے بند کردو اور ماہ مبارک کے اختتام تک اسے بند ہی رہنے دینا، پھر رمضان المبارک کا تیسرا روزہ شروع ہوتا ہے تو جبرئیلؑ کو حکم دیتے ہیں کہ جبرئیل دنیا کا رخ کرو اور سرکش شیاطین اور جنوں کو قید کر دو ان کو بیڑیوں میں جکڑ دو، اور پھر انہیں سمندر کی تہہ میں ڈال دو، تاکہ میرے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں میں خلل نہ ڈال سکے۔

(بستان الواعظین اور ریاض السامعین: ۲۰۴، ۲۰۵)

یہ ایک طویل روایت ہے جس میں رمضان المبارک کے فضائل کو ذکر کیا گیا اس ماہ میں اجر وثواب کا اندازہ لگانا مشکل ہے، اس ماہ میں گناہوں پر ابھارنے والے شیاطین کو بھی مقید کر دیا جاتا ہے تاکہ آسانی کے ساتھ روزہ دار عبادت میں مشغول ہو جائے، پھر اگر کوئی شخص اس مبارک ماہ میں بھی گناہ کرتا ہے تو اس کے اپنے نفس کی شرارت کے علاوہ کچھ نہیں، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: ''اللهم إنا نعوذبک من شرور أنفسنا و من سیأت أعمالنا '' اے اللہ تو ہماری حفاظت فرما، ہمارے اپنے نفس کی شرارت سے اور ہمارے برے اعمال کے وبال سے۔

ایک دوسری روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان للّٰه ملکاً رأسه تحت العرش، عرش رب العالمین ورجلاهُ فی تخوم الأرضین له جناحان أحدهما با لمشرق ر الآخر بالمغرب أحدهما من یاقوتة حمراء، والآخر من زبر جدة خضراء ینادی کل لیلة من شهر رمضان.

هل من تائب فیتاب علیه؟ هل من مستغفر فیغفر له ؟ هل من طالب حاجة فیسعف بحاجته. یاطالب الخیر أبشرو یاطالب الشرعی أقصر و أبصر.

(أخرجه ابن الجوزی فی العلل المتناهیة ۲/۴۲)

بحوالہ بستان الواعظین وریاض السامعین ص: ۲۰۴

بیشک اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فرشتہ ہے جس کا سر عرش خداوندی کے نیچے اور اس کا پاؤں ساتوں زمین کی تہہ میں ہے اس کے دو پر ہیں، ان میں ایک مشرق اور دوسرا مغرب میں ایک سرخ یاقوت سے بنا ہوا ہے اور دوسرا سبز زبرجد سے، رمضان المبارک میں وہ ہر رات میں یہ ندا لگاتا ہے، ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ اس کی توبہ قبول کی جائے ہے کوئی مغفرت کا طلب گار کہ اس کی بخشش کر دی جائے، ہے کوئی طالب حاجت کہ اس کی حاجت روائی کی جائے، اے طالب خیر! خوش ہو جا اور طالب شر، بس کر، اور سوچ سمجھ کر قدم اٹھا۔

یہ فضائل رمضان المبارک کے بارے میں کیسی جامع روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کا رمضان اول سے لے کر آخر تک صرف اور صرف خیرات میں گذرنا چاہیے، انابت اور استغفار مومن کو اس ماہ میں بکثرت کرنا چاہیے اور اپنی تمام ضرورتوں کو صرف بارگاہ خداوندی میں پیش کرنا چاہیے در بدر کی ٹھوکریں کھا کر مخلوق کے آگے الحاح وزاری کے ساتھ دستِ سوال دراز کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے اور گنہگار کو اس ماہ میں متنبہ ہونا چاہیے، جس طرح نیکی پر اس ماہ میں اجر و ثواب کا اضافہ ہوتا ہے۔ وہیں سزا و عذاب میں بھی اضافہ ہوتا ہے وعیدوں کے عنوان سے قریب ہی میں روایات ذکر کی جائیں گی امام عبدالرحمان ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں ہے کہ ''ان العبد المؤ من إذاقام فی رمضان الی السحور فتوضأ وصلی رکعتین جعل اللہ تعالیٰ خلفه سبعة صفوف من الملا ئكة، فإذا فرغ ودعا آمنوا علی دعائه، ويكتب اللہ تعالیٰ له بعددهم حسنات ويرفع له فی الجنة بعددهم درجات، ويمحو عنه بعددهم سيئات، ثم لايزالون يدعون و يستغفرون له إلی يوم القيامة'' (بستان الواعظین وریاض السامعین: ۲۰۶)

بندۂ مومن جب سحری کھانے کے لیے بیدار ہوتا ہے وضو کرتا ہے پھر دو رکعت نماز کی نیت باندھ کر اللہ کے حضور میں کھڑا ہو جاتا ہے تو اسی وقت اللہ اس کے پیچھے ملائکہ کی ایک جماعت کو کھڑے ہونے کا حکم دیتا ہے اور وہ سات صفیں بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں، جب وہ نماز سے فارغ ہو کر دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے اور دعا میں لگتا ہے، تو فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے رہتے ہیں اللہ رب العزت اس شخص کے نامۂ اعمال میں ان فرشتوں کی تعداد کے برابر نیکیاں درج کروا دیتے ہیں اور اتنے ہی گناہ

اس کے نامۂ اعمال سے مٹا دیے جاتے ہیں، پھر ملائکہ کی یہ مقدس جماعت اس شخص کے حق میں دعا اور استغفار میں لگ جاتی ہے اور قیامت تک وہ اسی طرح دعائیں اور استغفار کرتی رہے گی۔ (اللہ اکبر)

ایک اور روایت میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص رمضان المبارک کا روزہ رکھے، خاموش رہے اور اپنی زبان، کان اور ہاتھ اور دیگر تمام اعضاء بدنی کو محرمات اور گناہوں سے دور رکھے، نہ کذب بیانی کرے، نہ غیبت کرے اور نہ کسی کو تکلیف پہونچائے، تو کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہوگا کہ بالکل اس کے گھٹنے ابراہیم خلیل اللہ کے گھٹنے سے مل جائیں گے، اور اس کے اور عرشِ خداوندی کے درمیان صرف ایک فرسخ یا ایک میل کا فاصلہ رہ جائے گا (اللہ اکبر) (العلل المتناھیة :۲/۵۰) حدیث مذکور میں صوم کی برکت سے صائم کے لیے ازدیاد تقرب خداوندی کا پتہ چلتا ہے، اور خداوند قدوس کا تقرب مؤمن کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے ،جس کو ام النعم بھی کہا جائے تو کم ہوگا، اس لئے کہ دنیا میں انسان اپنا سب سے بڑا اعجاز اسی میں تصور کرتا ہے کہ اس کو کسی بادشاہ، کسی دنیوی یا دینی، یا علمی شخصیت کا تقرب حاصل ہو جائے، اسی جذبۂ نفسِ انسانی کو واقعۂ فرعون سے بھی سمجھا جا سکتا ہے، جب کہ فرعون نے جادوگروں کو جمع کیا، تو انہوں نے فرعون سے کہا: ”اِنّ لنا لاجراً إنْ کُنا نحن الغٰلبین“ کیا ہمارے غلبہ اور کامیابی کی صورت میں ہمیں کوئی انعام بھی دیا جائے گا؟ تو فرعون نے جواب میں کہا تھا: ”قال نعم انکم إذا لمن المقربین“ جی ہاں میں تمہیں اپنا مقرب بنالوں گا، تو دیکھئے فرعون کا بادشاہ ہونے کے ناطے اس کا تقرب بطور انعام کے انہیں دینے کا وعدہ کرنا، اور پھر ان کا اس پر کوئی اعتراض نہ کرنا دلیل ہے اس بات کی تقرب عظماء بہت بڑا انعام ہے تو اللہ رب العزت کا تقرب کتنا بڑا انعام ہوگا۔

فضائل رمضان المبارک کے متعلق چند احادیث یہاں ذکر کی گئیں اس کے علاوہ بھی بے شمار احادیث فضائل رمضان کے سلسلے میں کتب حدیث میں موجود ہیں، جو فضائل اعمال اور دیگر فضائل کی کتابوں سے معلوم کی جا سکتی ہے، اللہ رب العزت ہم سب مسلمانوں کو برکات رمضان سے بہرہ ور فرمائے آمین۔

رمضان المبارک کی ناقدری پر وعیدیں:

رمضان المبارک کی قدردانی پر جہاں بہت سی احادیثِ فضائل بیان کی گئیں، وہیں اس کی

ناقدری پر بھی بڑی سخت وعیدیں بیان کی گئی ہے، ذیل میں چند وعیدوں پر مشتمل احادیث شریفہ کو بیان کیا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر منیٰ میں وعظ کے دوران ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میں میزان کے پاس کھڑا ہوں گا، اس دوران میری امت کے نوجوان کو لایا جائے گا، فرشتے اس کی خوب پٹائی کر رہے ہوں گے، وہ میرے ساتھ لپٹ جائے گا اور کہے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری مدد فرمائیے میری مدد فرمائیے، تو میں ملائکہ سے دریافت کروں گا اس کا گناہ کیا ہے؟ ملائکہ جواب دیں گے اس شخص نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا تھا مگر اس کی قدر نہیں کی تھی، بلکہ اس میں بھی گناہوں میں لگا رہا اور پھر توبہ بھی نہ کی، یہاں تک کہ اچانک موت کے پنجے نے اس کو آدبوچ لیا، میں اس جوان سے پوچھوں گا کہ کیا تو نے قرآن کی تلاوت کی تھی؟ تو وہ جواب دے گا میں نے سیکھا تو تھا، مگر اس کو فراموش کر دیا یعنی بھلا دیا اور پڑھا نہیں تھا تو میں کہوں گا، اے نوجوان! تیرا ناس ہو، تیرا ناس ہو، تیرا بیڑا غرق ہو، یہ تو نے کیا کیا؟

پھر وہ برابر مجھ سے التجاء والتماس کرتا رہے گا اور ملائکہ اس کو گھسیٹتے رہیں گے، میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کی شفاعت کروں گا اور کہوں گا، کہ اے الہ العالمین! یہ بیچارہ میری امت کا نوجوان ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: اے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مدمقابل بڑا ہی مضبوط اور قوی ہے میں دریافت کروں گا، اے پروردگار وہ کون ہے؟ میں اس کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا اللہ رب العزت فرمائیں گے: اس کا مدمقابل رمضان ہے، تو میں کہوں گا کہ میں اس شخص سے بری ہوں جس نے رمضان المبارک کو بھلا دیا، اس شخص کی کون شفارش کرے جو رمضان المبارک کی حرمت کا پاس ولحاظ نہ رکھے، تب اللہ رب العزت بھی ارشاد فرمائیں گے، میں بھی بری ہوں اس شخص سے جس سے آپ بری ہیں، نتیجۃً اس کو جہنم میں ڈھکیل دیا جائے گا۔ اعاذنا اللہ منہا!

برادران اسلام! ذرا دیکھو، تو سہی کیسی سخت ترین وعید ہے، اس شخص کے لیے جو رمضان المبارک جیسے عظیم ماہ مبارک کو غفلتوں کے ساتھ گذار دے، نہ تو قرآن کی تلاوت کرے، نہ روزہ رکھے، نہ عبادت کرے، اللہ کے بندوں! اس ماہ کی قدر کرو، اس غفلت اور لایعنی امور سے مکمل اجتناب برتو، کثرت سے استغفار کرو، اس ماہ مبارک کی ایک ایک گھڑی تسبیح، نماز اور تلاوت وغیرہ میں صرف کرو،

اللہ ہم سب کو رمضان کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائیں، اور غفلت اور ناقدری سے ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔ آمین!

رمضان المبارک

بعض علماء فرماتے ہیں کہ رمضان کو رمضان اس لئے کہا جاتا ہے کہ عام طور پر اس میں حرارت بڑھ جاتی ہے، اس لئے کہ رمضان کے معنی آتے ہیں جھلسا دینا، جبکہ دوسرے بعض علماء فرماتے ہیں رمضان کے معنی شدت حرارت کے ہے رمضان کو رمضان اس لئے کہا جاتا ہے کہ رمضان کے روزے کی برکت سے قلب پر رقت طاری ہوتی ہے اور اس رقت کی وجہ سے قلبِ مسلم میں حرارتِ فکر اور حرارتِ موعظت موجزن ہوتی ہے، اور آخرت کا تصور پختہ ہوتا ہے امام خلیل فراہیدی بصری فرماتے ہیں: کہ یہ رمضاء سے ماخوذ ہے اس کے معنی گرم بالو اور ریت کے ہیں جب آدمی اس پر چلتا ہے تو اس کے پاؤں جھلس جاتے ہیں اسی طرح رمضان کی برکت سے گناہ خاکستر ہو جاتے ہیں، جبکہ علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ رمض کے معنی مطر کے ہے اور مطر کی وجہ سے چیز ڈھل جاتی ہے ایسے ہی رمضان کی برکت سے انسانی اعضاء سے گناہ ڈھل جاتے ہیں، الغرض رمضان مسلمانوں کے لئے نیکیوں کا موسم بہار اور گناہوں کے لئے موسم خریف ہے۔

صوم کا معنی

صَامَ یَصُوْمُ صَوْمًا کے لغوی معنی ہے الامساک رکے رہنا، جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت مریمؑ کے قصے میں ہے **فقولی انی نذرت للرحمن صومًا**۔ (سورۂ مریم:۲۶)

اے مریم! تو پوچھنے والواں سے کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن یعنی اللہ کے لئے نہ بولنے کا روزہ رکھا ہے، یعنی نہ بولنے کی منت مانی ہے۔

صومِ شرعی:

صومِ شرعی کہتے ہیں مسلمان کا صبح صادق سے لے کر غروب شمس تک نیت صوم کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رکے رہنے کو۔

شریعت مطہرہ میں روزے کی چند قسمیں:

(۱) صومِ فرض: یعنی فرض روزہ جیسے رمضان المبارک کے روزے کہ یہ فرض ہیں۔

(۲) صومِ ظہار: ظہار کا روزہ یعنی اگر کوئی ادمی اپنی بیوی سے کہہ دے کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح، یا بہن کی طرح ہے تو اس پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی، اور کفارۂ ظہار واجب ہوگا۔

(۳) صومِ نفل: وہ روزہ ہے جسے آدمی سال بھر میں کبھی بھی رکھے (سوائے پانچ دنوں کے عیدین اور ایامِ تشریق)۔

(۴) صومِ کفارہ جو شخص رمضان المبارک کے روزہ کو عمداً جماع کر کے یا کھا پی کر توڑ دے تو اس کی جگہ سال بھر میں کسی بھی وقت ساٹھ روزے مسلسل رکھنے ہوتے ہیں، اسے کفارۂ صوم رمضان کہا جاتا ہے۔

(۵) صومِ کفارۂ یمین: کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اور پھر وہ کام نہ کرے یا کرے تو تین روزے رکھنے ہوتے ہیں جبکہ دس مسکین کو کھانا نہ کھلا سکے اور نہ ان کو کپڑے پہنا سکے۔

(٦) صومِ فدیۂ اذی: یعنی حج کے موقع پر کسی شدید تکلیف کی وجہ سے حلق کے وقت سے پہلے حلق کرلے تو روزہ رکھے یا صدقہ کرے یا دم دیوے۔

(۷) صومِ حجِ تمتع یا قران: یعنی حج تمتع یا قران کی صورت میں قربانی واجب ہوتی ہے، جو شخص اس پر قادر نہ ہو تو اس کے عوض دس روزے رکھنا ضروری ہے، تین روزے دسویں ذی الحجہ سے پہلے ختم کردے اور جب حج کر چکے تو سات اس وقت رکھ لے، خواہ وطن آ کر رکھ لے یا وہاں ہی رکھ لے۔
(بیان القرآن: ج ۱/ ۱۲٦)

(۸) صومِ نذر: یعنی منت کا روزہ۔

(۹) صومِ جزاءِ صید: یعنی حالت احرام میں شکار کے کفارے کے طور پر رکھے جانے والے روزے۔

(۱۰) صومِ اعتکافِ منذور: یعنی نذر مانے ہوئے اعتکاف کے روزے۔

(۱۱) صومِ مسنون: جیسے صوم عاشورا۔

(۱۲) صومِ مستحب، جیسے ہر مہینے کے ایام بیض (یعنی ۱۳/۱۴/۱۵/ تاریخ) کے روزے اسی طرح صوم داؤد (ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنا)۔

(۱۳) صومِ مکروہ تنزیہی، جیسے صرف یومِ عاشورا کا ایک روزہ۔

(۱۴) صومِ مکروہ تحریمی، ایامِ تشریق اور عیدین کے روزے اور صرف یوم جمعہ کا روزہ۔

فرضیتِ صوم:

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: **یا أیھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم** ۔(سورۃ البقرہ آیت:۱۸۳) **کتب علیکم** کے معنی **فرض علیکم** یعنی تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، معلوم ہوا کہ روزہ فرض ہے ہر مکلّف پر یعنی عاقل، بالغ مرد وعورت پر لہٰذا اگر کوئی شخص بغیر کسی عذر کے رمضان کا روزہ ترک کردے تو وہ تارک فرض یعنی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوگا، جس کے بارے میں بے شمار وعیدیں احادیث مبارکہ میں وارد ہوئی ہیں۔

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بابِ صوم میں تسہیل:

حضرت سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ امم سابقہ اور امتِ محمدیہ پر بھی روزے کا آغاز رات میں سونے سے پہلے ہی سے ہوجاتا تھا، لہٰذا صائم کے لیے اپنی بیوی سے مباشرت کرنا بھی جائز نہ تھا مگر بعد میں اللہ رب العزت نے امت محمدیہ پر رحم فرمایا، اور رخصت دی اس طرح کہ اب آغازِ صوم غروب کے بعد رات سے نہیں بلکہ طلوع صبح صادق سے ہوگا اور رات میں اپنی بیوی سے ماہِ رمضان میں بھی مباشرت جائز ہوگی جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:'' **وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الأبیض من الخیط الأسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی الیل** ''(سورۃ البقرہ:۱۸۷) کھاؤ اور پیو اس وقت تک کہ تم کو سفید خط صبح کا متمیز ہوجائے، سیاہ خط سے پھر رات تک روزے کو پورا کیا کرو۔(بیان القرآن:۱/۱۱۹) اسی طرح بیوی کے ساتھ جماع کے مباح ہونے کے بارے میں فرمایا:'' **احل لکم لیلۃ الصیام الرفث إلی نسائکم** '' تم لوگوں کے واسطے روزے کی رات میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونے حلال کردیا گیا ہے۔(بیان القرآن:۱/۱۱۹) کہ تمہارے لئے صیام لیل میں اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت حلال کی گئی، یہ دو سہولتیں ہوئی تیسری یہ کہ اگر کوئی شخص بھول کر کھا پی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:'' **رفع عن امتی الخطاء والنسیان** '' میری امت سے غلطی اور چوک پر مواخذہ اٹھا لیا گیا اسی طرح اگر کوئی سفر میں ہو تو رخصت دی گئی اسی طرح شدید مرض کی صورت میں بھی رخصت دی گئی کہ صحت یابی کے بعد روزہ رکھے یہ سب سہولتیں ہیں، جو شریعت مطہرہ نے مسلمانوں کو عطا کی ہے ورنہ دیگر مذاہب کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا یا تو حد سے زیادہ چھوٹ دی گئی یا حد سے زیادہ سختی ہے جس

میں روزہ برائے نام ہوتا ہے مثلاً، ہندو مذہب میں حالت اپاس میں فروٹ وغیرہ کھا سکتے ہیں اور نصاری کے یہاں کئی کئی دنوں کا مسلسل روزہ ہوتا ہے بعض اوقات انسان برداشت نہ کر کے مر جاتا ہے
۔

حقیقتِ صوم:

روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں بلکہ روزہ نام ہے کھانے، پینے، جماع اور گناہ سے بچنے کا اسی لیے صوفیائے کرام فرماتے ہیں: کہ روزہ تین چیزوں کا ہوتا ہے: (۱) صوم الروح، (۲) صوم العقل، (۳) صوم الجوارح۔

صوم الروح اسے کہتے ہیں: کہ انسان آرزؤں کے پل نہ باندھے۔

صوم العقل اسے کہتے ہیں: کہ انسان نفسانی خواہشات سے بچے۔

صوم الجوارح اسے کہتے ہیں: کہ انسان کھانے پینے جماع اور اسی طرح حسد، کذب اور فواحش سے بچے۔

امام عبد الرحمٰن بن الجوزیؒ فرماتے ہیں کھانے پینے سے باز رہے تو یہ بڑا کمال نہیں یہ تو عادت ہے اس لیے کہ زندگی میں بہت سے مواقع ایسے بھی آتے ہیں کہ انسان کو مشغولیت کی وجہ سے کھانے پینے کی فرصت بھی نہیں ملتی پھر وہ آگے فرماتے ہیں: جو شخص کھانے پینے کے ساتھ سود اور حرام خوری سے باز رہے، اور حلال کمائی سے افطار کرے تو اس کا روزہ عادت کے ساتھ عبادت بن جاتا ہے، اور اگر گناہوں سے اپنے آپ کو بچالے تو یہ روزہ اللہ کی خوشنودی کا باعث بن جاتا ہے، اور اگر مکروہات سے بھی پرہیز کرے اور انابت و توبہ میں دن بھر لگا رہے، تو روزہ انسان کے لیے باعث تقویٰ وطہارت بن جاتا ہے اور اگر غیبت و بہتان تراشی سے احتراز کرے اور دن بھر تلاوت کلام اللہ میں مشغول رہے، تو ایسا روزہ روزہ دار کو رشید یعنی نیک بخت بنا دیتا ہے، اور اگر روزہ خوشنودی کے ساتھ اور اللہ کا شکر بجالانے کے ساتھ رکھے تو انسان کو بے تحاشہ نیکیوں کا حق دار بنا دیتا ہے۔

دور حاضر میں دیکھا گیا کہ امت مسلمہ کا ایک طبقہ روزہ رکھتا ہی نہیں، اور جو طبقہ روزہ رکھتا ہے وہ گناہوں سے بچنے کا التزام نہیں کرتا، حالاں کہ روزہ اصل نام ہی ہے گناہ صغیرہ وکبیرہ سے اپنے آپ کو بچانے کا لہٰذا صائم کے لیے ضروری ہے، کہ وہ حالت صوم میں اپنی زبان کی حفاظت کرے نہ

کذب بیانی سے کام لے نہ غیبت کرے نہ بہتان تراشی میں مشغول ہو نہ لغو اور فضول باتوں میں اپنا وقت صرف کرے، بلکہ روزہ کی حالت میں یا تو تلاوت کرے یا ذکر اللہ میں مصروف رہے یا درود شریف کا ورد کرتا رہے، یا استغفار میں لگا رہے، اور اگر کچھ نہ کرے تو کم از کم خاموش بیٹھا رہے تو کہا جائے گا کہ اس نے زبان کا روزہ رکھا ہے اسی طرح گانے اور موسیقی اور لغویات کو سننے سے بھی مکمل اجتناب برتے تو اب کہا جائے گا کہ اس نے کان کا بھی روزہ رکھا ہے، اسی طرح آنکھوں کو بھی محرمات کے دیکھنے سے دور رکھے، نہ کسی غیر محرم کو دیکھے، نہ ٹی وی دیکھے، نہ کرکٹ کا میچ دیکھے اور نہ کوئی اور کھیل ،یا فضول ٹی وی پروگرام دیکھے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کسی غیر محرم عورت کی طرف ایک نظر عمداً دیکھے گا، اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن اس کی آنکھ میں آگ کی سلیاں ڈالوائینگے پھر اس کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ (تنزیہ الشریعہ: ج ۲/۲۱۴، ابن عراق)

صائم اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی حرام چیز کی طرف بڑھانے سے بچائے رکھے، اور اپنے پیٹ کو بھی اور اپنے دونوں پاؤں کو بھی محرّمات کی طرف پیش قدمی کرنے سے روکے رکھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے قدم اس لئے اٹھائے تاکہ کسی کے عیب کو فاش کرے، یا کسی کے راز کا افشا کرے تو اس کے پہلے قدم پر ہی اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈالنے کا فیصلہ فرماتے ہیں، اور پھر کل قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ اس کے پوشیدہ گناہوں کو بیان کر دینگے اور پھر اس کو جہنم میں ڈالنے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

(بستان الواعظین وریاض السامعین: ص ۱۹۹)

اپنی شرم گاہ کو فواحش سے دور رکھے، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی یہودی یا نصرانی یا مجوسی یا مسلمان عورت سے، یا کسی بھی عورت سے زنا کا ارتکاب کرے گا تو اللہ رب العزت کل اس کی قبر میں جہنم کے تین سو دروازے کھول دینگے، ان دروازوں میں سے لاتعداد سانپ اور بچھو اس کی قبر میں داخل کیئے جائیں گے اور آگ کے شعلے بھی اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے، اس طرح قیامت تک سانپ بچھو اس کو کاٹتے رہیں گے اور جہنم کے شعلوں میں جلتا رہے گا، یہاں تک کہ جب قیامت قائم ہوگی اور اس کو قبر سے اٹھایا جائے گا اور جب وہ حشر کے میدان میں آئے گا تو اس کی شرم گاہ سے ایسی بدبو اٹھ رہی ہوگی کہ تمام لوگ اس سے پریشان ہو جائیں گے پھر اس کو جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا، جب اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اہل جہنم بھی اس کی بدبو سے پریشان ہو جائیں گے جبکہ وہ لوگ خود سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ (بستان الواعظین وریاض

السامعین/ص۱۹۹)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص کسی مسلمان پڑوسی کی عورت سے زنا کرے گا وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پا سکے گا، جب کہ جنت کی خوشبو پانچ سو مسافت کی دوری سے محسوس کی جاتی ہے۔ (ایضاً/ص۹۹)

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زنا کرنے والا چھ قسم کے عذاب سے دوچار ہوتا ہے ان میں سے تین کا تعلق دنیا سے ہے، اور تین کا تعلق آخرت سے، دنیوی تین مصیبتیں یہ ہیں (۱) اس کا وقار چھن جاتا ہے (۲) زانی سخت فقیری سے دوچار ہوتا ہے (۳) عمر میں یا تو کمی واقع ہو جاتی ہے یا برکت اٹھالی جاتی ہے اور اخروی تین عذاب یہ ہیں (۱) اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں، (۲) وہ بدترین اور سخت ترین حساب سے دوچار ہوگا (۳) اور جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ (بحوالہ الترغیب والترہیب، منذری: ج۳/ص۲۷۱)

غرض یہ کہ روزہ اسی وقت روزہ ہوگا، جبکہ ان تمام چیزوں کا خیال رکھا جائے اللہ ہم سب کو ایسا روزہ رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے جس سے اللہ راضی ہو جائے۔

رمضان المبارک میں کرنے کے کام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لکل شئی بابٌ وبابُ العبادات الصیام (کنز العمال حدیث نمبر ۲۳۵۹۱ اور اتحاف السادۃ المتقین ۴/۱۹۲) گویا رمضان المبارک کی مشروعیت شریعت نے اسلئے رکھی کہ رمضان المبارک کے روزہ کی برکت سے عبادات کا جذبہ اور گناہوں سے بچنے کا داعیہ پیدا ہو، اس لئے یہ امر مشاہد ہے کہ جب آدمی روزہ رکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اگلے دن شام ہی سے نیت کر لیتا ہے، پھر اس نیت کی برکت سے مغرب وعشاء کی توفیق ہوتی ہے، پھر جب سحری کے لیے بیدار ہوتا ہے تو تہجد پڑھنے کی توفیق میسر آتی ہے، پھر سوچتا ہے چلو فجر پڑھکر لیٹیں گے پھر جب مسجد میں وقت سے پہلے آجاتا ہے، تو سوچتا ہے چلو قرآن پاک کی تھوڑی سی تلاوت کریں، پھر تلاوت میں لگ جاتا ہے، تلاوت سے فارغ ہوتا ہے تو پہلی صف میں پہنچنے کی کوشش کرتا ہے کہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کرنی ہے، پھر بعد نماز فجر درس قرآن ہو رہا ہو تو تھوڑی دیر اس میں بیٹھ لیتا ہے، یوں دن کی آغاز ہی سے بکثرت فرائض وواجبات کے ساتھ سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق مل جاتی ہے گویا وہ روزہ کی برکت سے عبادت کے دروازے میں داخل ہو جاتا ہے، اس اعتبار

سے رمضان کی آمد بندۂ مومن کے لئے رحمت ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رمضان کا نظام بنایا کہ بندے اسی بہانے سے ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت کی طرف آجائیں جو زندگی کا اصل مقصد ہے گویا رمضان کی آمد کیا ہوتی ہے کہ مقصد حیات کی یاددہانی ہو جاتی ہے اللہ ہمیں رمضان المبارک کی برکات سے خوب خوب مالا مال کرے۔ آمین!

مذکورہ پیریگراف سے پتہ چلتا ہے کہ رمضان مقصد حیات کی یاددہانی کیلئے مشروع کیا گیا ہے، یہ پہلا جواب تھا، اب دوسرا جواب بھی معلوم کرتے چلیں، حضرت یحیٰ ابن معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر جوع یعنی بھوک بازار میں بیچی جاتی تو مرد سب سے پہلا کام بازار میں داخل ہوتے ہی یہ کرتا کہ اس کو خرید لیتا اور بس، مگر قربان جائیے شریعتِ مطہرہ پر، کہ اس نے مسلمانوں پر ماہ صیام یعنی رمضان کی مشروعیت کر کے جوع یعنی بھوک کے مسئلے کو حل کر دیا، معلوم ہوا کہ جوع یعنی بھوک ایک عجیب نعمت ہے، جو انسان کے لئے بظاہر اگرچہ مصیبت ہے مگر حقیقت میں رحمت ہی رحمت ہے، خاص طور پر مسلمان کے لئے اگر آپ انسانی اور حیوانی زندگی پر غور وفکر کریں تو آپ محسوس کرینگے کہ یہ ساری چلت پھرت اور ہل چل اس بھوک کو دور کرنے کے لیے ہو رہی ہے، جانور بھی صبح سویرے اپنے گھونسلوں اور دروں اور غاروں سے نکل پڑتے ہیں، تاکہ پیٹ کی بھوک کا مسئلہ حل کریں، یہ تو ہوا دنیا کا حال، آخرت میں سب سے بڑا عذاب اہل جہنم کے لئے بھوک ہی ہوگی، اور وہ اس کو برداشت نہیں کر سکیں گے، لہٰذا انہیں جو دیا جائے گا جیسا دیا جائے گا وہ اس کو کھانا شروع کر دے گے، گویا مومن کو رمضان کی آمد سے جہنم کے اشد عذاب کی ایک جھلک دکھلائی جاتی ہے کہ وہ روزہ سے جب بھوکا ہو تو آخرت کی بھوک کو یاد کر لے اور یوں جہنم سے بچنے کی تدبیریں اپنانے لگے، گویا روزہ تذکیر نار کا سبب ہے، ویسے بھی جوع (بھوک) حکماء اور فلاسفہ کے یہاں بھی مفید ہے اور دیگر مذاہب میں بھی مجاہدہ کے لیے اسی کا سہارا لیا جاتا ہے، اور آج سائنس نے بھی اس کے فوائد بکثرت بیان کر دیئے ہیں، لہٰذا روزے کی اور رمضان المبارک کی آمد بدنی بیماریوں کی شفاء کے ساتھ آخرت کے عذاب سے چھٹکارے کا بھی سبب ہے، اب بتاؤ روزہ یہ ظلم ہے یا رحمت؟

۳) رمضان کی آمد تذکیر مقصدِ حیات اور تذکیر جوع جہنم کے ساتھ ساتھ اغنیاء یعنی

مالداروں کے لئے سامان عبرت بھی ہے کہ جب روزہ کی وجہ سے سخت پیاس اور بھوک سے دوچار ہوگا تو اسے اپنے فقیر انسانی بھائیوں پر رحم آئے گا اور یوں وہ انکی امداد پر آمادگی کے ساتھ ساتھ اللہ کا شکر بجالائے گا اور شکر بجالانے اور صدقہ خیرات کی وجہ سے اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائیاں میسر آئیں گی۔ (فیض ابرار)

رمضان اور ہمارے اسلاف

رمضان المبارک کا مبارک مہینہ میں ہمارے اسلاف نے حتی المقدور اس کا حق کیسے ادا کیا اور نیکیوں کے اس موسم بہار میں خوب نیکیاں کیسے لوٹی۔ مناسب ہے کہ ہمارے اسلاف میں سے بعض کے رمضان گذارنے کے احوال قارئین کی نظر کی جائیں تا کہ انہوں معلوم ہو کہ رمضان کے فضائل ومسائل صرف پڑھنے پڑھانے لکھنے ولکھانے اور سننے سنانے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کیا جانا چاہیے جیسا کہ ہمارے اسلاف نے عمل کیا تو آیئے ہم اسلاف کے احوال معلوم کرتے ہیں۔

حضرت عثمان ابن عفانؓ رات میں ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے رمضان کے فضائل میں افطار کرنا اور غرباء ومساکین کی رعایت کرنے پر بے حساب ثواب اور اس کے فضائل سنے تھے لہذا ان کے بارے میں آتا ہے کہ وہ رمضان میں ہمیشہ غرباء مساکین اور یتیموں کے ساتھ ہی افطار کرتے تھے اور ان پر بے تحاشا خرچ کرتے تھے، عبداللہ ابن عمرؓ کے راہِ خدا میں خرچ کرنے کا حال یہ تھا کہ ایوب ابن وائل فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ان کے پاس چار ہزار دراہم آئے مگر آپ نے تمام کے تمام غرباء ومساکین میں تقسیم کردیے حد تو یہ کہ دوسرے دن ان کو بازار میں دیکھا گیا کہ وہ قرض لے کر اپنے گھوڑے کے لئے گھاس خرید رہے تھے۔

امام زہریؒ، محمد ابن مسلمؒ، ابن عبداللہؒ، ابن شہابؒ جن کو مدوین حدیث کہا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں مؤرخین نے نقل کیا ہے کے سال بھر آپ قریہ قریہ بستی بستی گھوم گھوم کر

احادیث سنتے اور اسے یاد کرتے مگر جیسے ہلالِ رمضان طلوع ہوتا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پورے انہماک کے ساتھ قرآن کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے، اور اس طرح پورا رمضان تلاوت کے نذر کر دیتے۔

سفیان ثوریؒ کے بارے میں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رمضان میں تمام امور کو خیرآباد کر کے صرف تلاوتِ قرآن کے ہو کر رہ جاتے۔

قتادہ ابن دعامہؒ کے بارے میں آتا ہے کہ رمضان میں یومیہ ایک قرآن ختم کرنا ان کا معمول تھا۔

اسود ابن یزیدؒ رمضان میں صرف مغرب اور عشاء کے درمیان کچھ دیر سوتے بقیہ دن رات پورا وقت تلاوت میں صرف کرتے۔

سعید ابن جبیرؒ رمضان میں یومیہ نصف قرآن پڑھتے اور بقیہ اوقات لوگوں کو قرآن سمجھاتے۔

ولید ابن عبدالملکؒ رمضان میں ۱۷/سے زائد قرآن ختم کرتے تھے۔حالاں کہ وہ خلیفۃ المسلمین تھے۔

امام ابوحنیفہؒ رمضان میں ۶۵/قرآن ختم کرتے تھے۔

امام شافعیؒ رمضان میں ۶۰/سے زائد قرآن ختم کرتے تھے۔

امام بخاریؒ روزے کی حالت میں یومیہ ایک اور رات میں تراویح میں کل دس اس طرح رمضان میں ۴۰ چالیس قرآن ختم کرتے۔

امام ابن عساکرؒ کا معمول بہ رمضان میں روزانہ ایک قرآن ختم کرنا تھا۔

حضرت اسود ابن یزیدؒ رمضان میں ۱۵/سے زائد قرآن ختم کرتے تھے۔

امام مالکؒ رمضان المبارک میں درس و تدریس وافتاء واستفتاء سب کچھ چھوڑ کر قرآن کی تلاوت کے لیے کمربستہ ہو جاتے، دن رات صرف قرآن کی تلاوت کرتے۔

وقیع ابن الجراحؒ رات میں پورے رمضان ایک ایک قرآن ختم کرتے اور دن بھر نوافل میں مشغول رہتے۔

سائب ابن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے حکم سے ابی ابن کعب نے تروایح کا آغاز کیا۔رات بھر وہ تراویح پڑھاتے جب سحری کا وقت قریب ہوتا تو تروایح سے فراغت حاصل ہوتی ۔

حضرت عبداللہ ابن ابی بکرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ہم رمضان کی راتوں میں بکثرت نوافل پڑھا کرتے یہاں تک کہ ہمارے خدام ہمیں سحری کے لیے جلدی مچاتے کہ کہیں فجر نہ ہو جائے۔

عبدالرحمٰن ابن ہرمزؒ فرماتے ہیں کہ رمضان میں کم از کم الم سجد کو سورۂ بقرہ کے بقدر تلاوت کرتے تھے،اگر اس سے کم پڑھتے تو لوگ برا تصور کرتے۔

حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ رات کو پانی لے کر مسجد نبوی میں تشریف لے آتے اور صبح تک نماز میں مشغول رہتے تھے۔

عمران ابن جدیرؒ فرماتے ہیں کہ ابومجلزؒ ہر ہفتہ اپنے محلّہ کی مسجد میں قرآن ختم کرتے تھے۔

نافع ابن عمرؒ فرماتے ہیں میں نے ابن ابی ملیکہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں رمضان میں ایک رکعت میں نصف نصف پارہ پڑھتا تھا مگر لوگوں کو ذرہ برابر گرانی نہ ہوتی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ صَدَقَةُ رَمَضَانَ'' افضل صدقہ وہ ہے جو رمضان میں صدقہ کیا جائے۔

داؤد طائی مالک ابن دنباء اور احمد ابن حنبل عبداللہ ابن مبارک وغیرہ رمضان میں بکثرت غریبوں کا افطار کراتے تھے۔

امام ابومحمد اللبانؒ فرماتے ہیں سن ۴۲۷ھ کا رمضان میں بغداد میں گذارا میں نے دیکھا لوگ نصف رات سے زائد حصہ تراویح میں گذارتے تھے۔

حماد ابن سلیمانؒ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے، یومیہ سو مسلمانوں کو افطار کرواتے اور آخری رات انہیں ایک ایک جوڑ کپڑے اور سو سو درہم عطا فرماتے۔

علقمہ ابن قیسؒ فرماتے ہیں میں نے ایک رات عبداللہ ابن مسعودؓ کے یہاں گذاری تو

میں نے دیکھا کہ رات بھر ترتیل کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے رہے۔

طلحہ ابن عبیدؓ کے بارے میں بیان کا جاتا ہے کہ بعض مرتبہ ایک ایک رات میں چار لاکھ دراہم صدقہ کر دیتے تھے۔

یہ تھا ہمارے ''اسلاف'' کا رمضان آج ہم ایک بار اپنے رمضان پر نظر ڈالیں کہ ہمارا یعنی ''اخلاف'' کا کیا حال ہے۔رمضان جیسے مبارک ماہ میں ایک طبقہ وہ ہے جو روزہ نہیں رکھتا ایک طبقہ وہ ہے جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا، ایک طبقہ وہ ہے جو نماز کا اہتمام نہیں کرتا، ایک طبقہ وہ ہے جو تراویح نہیں پڑھتا، ایک طبقہ وہ ہے جو روزہ کے آداب و احکام کا خیال نہیں رکھتا، ایک طبقہ وہ ہے جو حقوق میں چاہے حقوق العباد ہو یا حقوق اللہ میں کوتاہی کرتا ہے، مشکل سے پوری امت کا دس بیس فیصد طبقہ ایسا ہوگا جو رمضان کی رعایت کرتا ہوگا، اب ایسے حالات میں ایڈز ،سوئین فلو، کینسر، شوگر، بلڈ پیشر، فلاج جیسی مہلک بیماریاں نہیں پھلیں گے تو اور کیا ہوگا۔قحط سالی، مالی بحران، اخلاقی انارکی سیلاب تیز و تند ہوائیں، سخت گرمی، سخت سردی، بارش کی کمی ،اناج کی کمی، جانوروں کی نسل کا فقدان، وقت میں بے برکتی وغیرہ سے انسانیت دوچار نہ ہوگی تو اور کیا ہوگا!!

یہ سب بڑے عذاب سے پہلے اس کے نمونے کے طور پر چھوٹے چھوٹے عذاب ہے خدا کے واسطے اپنی فکر کرو، جب تک ہم اپنے آپ کو اور ہمارے پورے معاشرے کو بھلائی پر نہیں لائیں گے، یہ مصائب اور یہ بیماریاں ٹلنے والی نہیں کوئی ڈاکٹری اور سائنس اور ٹیکنالوجی اور کوئی قوت و طاقت اور پلاننگ انسانی معاشرے کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی، صرف اور صرف ایمان، **عمل صالح اور اللہ کے سامنے توبہ و استغفار ہی ہمارے تمام مصیبتوں کا صحیح حل** ہے۔لہٰذا آج یہی یہ عہد کر لیجئے کہ ہم رمضان ہی نہیں پوری زندگی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے مطابق گذاریں گے۔رمضان اس کے لیے سنہرہ موقع ہے، اسے غنیمت جانے اور رمضان اس طرح گذارے جیسا کہ قرآن وحدیث کے روشنی میں ابھی بیان کیا جارہا ہے اور مذکورہ اسلاف کے واقعات کو اسوہ اور نمونہ بنا لیجئے۔

ہم اسلاف کے نقش قدم پر رمضان کس طرح گذاریں، اگر ہم ذیل میں دیجارہی چند

باتوں کا پاس ولحاظ کرلے گے تو انشاء اللہ اسلاف کے طریقے پر رمضان گذار سکے گے۔

قبل اس کے ہم رمضان کے ضروری امور کو معلوم کریں ایک بات کا پختہ عہد کریں کہ ہم رمضان کے ایک ایک لمحے کو قیمتی بنائیں گے، وقت گذاری مثلاً کھیل کود اور دیگر تمام تفریحی امور جس میں دنیا وآخرت کا کوئی فائدہ نہیں مکمل بچتے رہیں گے، نہ گانے سنیں گے نہ ٹی وی دیکھیں گے نہ کوئی اور فضولیات میں وقت گذاریں گے۔

روزوں کو مکمل اہتمام رکھیں، زبردستی بہانا بنا کر روزہ ترک نہ کریں کیوں کہ انسان ایک روزہ اگر ترک کردیتا ہے تو ساری زندگی کے روزے بھی اس کے برابر ثواب تک نہیں پہچا سکتے۔

نیت کا اہتمام: نصف النہار سے پہلے نیت کرلے ورنہ بغیر نیت کے روزہ بے سود ہو جائے گا۔

روزے کے احکامات کو معلوم کرلیں چاہے کتاب سے یا کسی عالم سے تاکہ شریعت کے مطابق روزہ ہوسکے۔ بڑے افسوس کا مقام ہے آج ہمارے معاشرے کی اکثریت اسلامی احکامات سے بالکل غافل اور ناواقف ہیں۔

ارکان صوم : ا/نیت۔۲/کھانے پینے اور مباشرت اور کسی بھی مفطر (روزہ توڑنے والی) چیز سے باز رہنا۔

مفسداتِ صوم: روزے کی حالت میں عمداً کھانا پینا یا جان بوجھ کر منہ بھر کر قے کرنا، حیض یا نفاس کا جاری ہونا، مباشرت کر بیٹھنا، سگریٹ بیڑی وغیرہ سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

مکروہات صوم: ا/کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا۔۲/تھوک کو منہ میں جمع کر کے نگل جانا۔۳/بدنظری کرنا یعنی عورتوں کو دیکھنا چاہے بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ مثلاً موبائل، تھیٹر، آئے پوٹ، کمپیوٹر، ٹیلی ویژن، ویڈیو وغیرہ میں۔۴/کسی کو تکلیف پہچانا۔

آدابِ واجبہ: جھوٹ بولنے سے پرہیز کریں۔۲/غیبت نہ کریں۔۳/جھوٹی گواہی نہ دیں۔۴/دھوکہ دہی نہ کریں۔

آداب مستحبہ: سحری آخری وقت میں اور افطاری اول وقت میں یعنی سورج کے ڈوبتے ہی کریں۔۲/زبان کو فضول اور لایعنی باتوں سے محفوظ رکھیں۔۳/روزہ داروں کو افطار کروائیں۔۴/صدقہ وخیرات خوب کریں۔۵/کثرت سے قرآن کی تلاوت کریں۔۶/تہجد، چاشت ، اشراق، تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو، صلوۃ التسبیح ،صلوۃ الحاجت وغیرہ کا خوب اہتمام کریں۔

رمضان میں فرائض خاص طور پر نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام کریں ایک نماز بھی رمضان میں قضا نہ ہونے پائے،تراویح کا خوب اہتمام کریں،مکمل بیس رکعت امام کے ساتھ ادا کریں،اور اس کے بارے میں ۸/رکعات ۱۲/رکعات پر اختلاف نہ کریں،کیا اگر اللہ تعالیٰ کے سامنے ۲۴/سجدے زیادہ کریں گے تو گناہ ہو جائے گا؟

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ادائیگی ثابت ہے۔اور امت صدیوں سے اس پر اجماع کرتی چلی آئی ہے اور اگر بالفرض سنت نہ بھی تصور کریں تو نفل سمجھ کر ہی پڑھیں،مگر اللہ تعالیٰ کے واسطے پڑھیں عبادت کا مہینہ ہے۔۲۰/رکعت پڑھوں گے تو تمہارا کیا بگڑ جائے گا؟

اپنی زبان ذکر اللہ سے ہمیشہ تر رکھیں،گالی گلوچ سے اجتناب کریں ،رو رو کر اور گڑگڑا کر اللہ سے اپنی مغفرت کی اور اپنی اور امت کی اصلاح کی خوب دعائیں کریں آخری عشرے میں اعتکاف کریں اور لیلۃ القدر کی تلاش میں لگ جائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ رمضان میں نماز کا اہتمام کرے،قرآن کی تلاوت،روزے دار کو افطار ،صدقہ خیرات،روزے کے احکام وآداب کی رعایت کریں،کثرت سے دعا،
ماتحتوں کے ساتھ نرمی،یتیموں اور غریبوں کی خیر خواہی،تہجد،چاشت اشراق وغیرہ کے اہتمام کے ساتھ رمضان گذاریں،
کھیل کود،وقت گذاری،حرام بینی،
اور حرام امور سے اجتناب کے ساتھ گذاریں۔

روزہ صحتِ جسمانی وروحانی کے لیے ایک نسخۂ کیمیا

عبدالمتین اشاعتی

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿یآیھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾. اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔(البقرة:١٨٣)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ((بني الإسلام علی خمس؛ شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله ، و إقام الصلوة وإيتاء الزكوة، والحج ، وصوم رمضان)). .... اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا، زکوۃ اور حج ادا کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا۔(صحيح البخاري:١/٦)

روزہ کی لغوی واصطلاحی تعریف:

لغت میں......بات چیت یا کھانے پینے سے رکے رہنے کو روزہ کہتے ہیں۔

اصطلاح میں......از صبحِ صادق تا غروبِ شمس، اکل وشرب، جماع، اور بری باتوں سے بچنے کو روزہ کہتے ہیں۔

(كتاب الفقه على المذاهب الأربعة:١/٤٧٣، النصوص الفقهية المختارة طبقاً للمذاهب الأربعة المعتبرة:١٧٧، فتح القدير:٢/٣٠٦،٣٠٧، تبيين الحقائق:٢/١٤٥، رد المحتار:٣/٣٢٧)

اسلام ایک متنوع العبادات مذہب ہے جیسے نماز، زکوۃ، روزہ، حج وغیرہ، تمام عبادتوں کا منشا ومقصد خدا تعالیٰ کی اطاعت، فرمانبرداری اور کمالِ بندگی ہے، مگر کچھ عبادتیں ایسی ہیں جو عمل میں جھلکتی

ہیں، مثلاً نماز، زکوۃ، حج، اور کچھ عبادتیں ایسی ہیں جو عمل میں نہیں جھلکتی، جیسے روزہ جو نہ قولی ہے نہ فعلی بلکہ صرف امساک ہے۔

روزہ کی تعریف: ''**ھو الإمساک عن الأکل والشرب**'' کے ظاہر پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک منفی عمل ہے، لیکن اپنی حقیقت اور روح کے اعتبار سے ایجابی عمل ہے۔

فرضیتِ روزہ:

''**کتب علیکم الصیام**'' اسلام کے ارکانِ خمسہ میں روزہ کا درجہ تیسرے نمبر پر ہے، اسلام نے فرضیتِ احکام میں یہ روش اختیار کی کہ پہلے نماز کو جو ذرا ہلکی عبادت ہے فرض کیا، پھر اس کے بعد زکوۃ، پھر زکوۃ کے بعد روزہ۔ چونکہ روزہ کی تکلیف نفس پر شاق اور گراں گزرتی ہے اس لیے اس کو تیسرے درجے پر رکھا۔ روزہ کی فرضیت ۱۰/شعبان المعظم ۲ھ مدینہ منورہ میں ہوئی۔

تاریخِ روزہ:

''**کما کتب علی الذین من قبلکم**'' ''**قبلکم**'' اس لفظ سے تاریخی حقیقت کا اظہار ہی نہیں بلکہ روزہ کی طبعی مشقت مسلمانوں پر سہل ہونا ثابت کیا گیا ہے، کہ تم سے پہلی امتیں بھی اس مشقت کو برداشت کر چکی ہیں۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کی ابتدا زمانۂ آدم علیہ السلام ہی سے ہو گئی تھی، آپ کے دور میں ایامِ بیض یعنی ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵/ تاریخ کے روزے فرض تھے، اور یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، اسی لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان کی مشابہت سے منع فرمایا ہے کہ وہ ایک روزہ رکھتے ہیں تو ہمیں ان کی مخالفت میں دو روزے رکھنا چاہیے۔

اسی طرح ہندو دھرم میں اُپاس اور بدھ مذہب میں برُت (روزہ) مذہب کا رکن ہے۔

الغرض: آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر قوم وملت میں روزے کا وجود کسی نہ کسی شکل میں رہا ہے۔

حکمتِ روزہ:

نفس کو قابو کرنے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہے:

۱/...... نفس کو تمام شہوتوں اور لذتوں سے روکا جائے، کیوں کہ جب سرکش گھوڑے کو دانا پانی

نہ ملے تو وہ تابع ہوجاتا ہے، اسی طرح نفس کی سرکشی روزے سے دور ہوتی ہے۔

۲/...... نفس پر عبادت کا بہت سا بوجھ لاد دیا جائے، جس طرح جانور کو دانا پانی کم ملے اور بوجھ بہت سا لاد دیا جائے تو وہ نرم ہوجاتا ہے یہی حال نفس کا ہے۔

۳/...... نفس کو قابو میں کرنے کے لیے ہر وقت اللہ سے مدد چاہیں، پتہ چلا کہ قوتِ نفس کو توڑنے کے لیے اور اپنی تمام قوتوں کو اعتدال میں لانے کے لیے روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

روزہ کا فلسفہ:

☆ روزہ انسانی جسم وصحت کے لیے نسخۂ کیمیاء ہے، جس کی بناء پر نظامِ ہضم درست رہتا ہے جو انسانی صحت کے لیے لازم ہے (طب)۔

☆ مشہور مقولہ ہے: ”المعدة بیت الداء والحمیة رأس الدواء“. (معدہ بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز ہی اصل دوا ہے)۔

☆ روزہ مسلمانوں میں سپاہیانہ لگن، ولولہ اور جوش پیدا کرتا ہے جو ایک مجاہدِ اسلام کے لیے ضروری ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة﴾. (اور ان سے مقابلہ کے لیے جس قدر بھی تم سے ہوسکے سامان درست رکھو قوت سے)۔ (الأنفال: ٦٠)

☆ روزہ انسان کے اندر صفاتِ ملکوتی پیدا کرتا ہے، تاکہ انسان راہِ اعتدال اختیار کرے جو اس امت کا خاصہ ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وکذلک جعلنٰکم أمة وسطا﴾. (اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امتِ عادل بنایا ہے)۔ (البقرة: ١٤٣)

☆ روزہ بکھری ہوئی انسانیت اور منتشر اذہان کو مساوات ومواسات کا درس دیتا ہے، اور یہی دین کا خلاصہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ” الدین النصیحة “. (دین خیر خواہی ہے)۔ (بخاري: ١/١٣، موسوعة الفقه الإسلامي المعاصر: ١/٢٩١)

☆ روزہ کے ذریعہ انسان کے دل میں صلہ رحمی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، کیوں کہ مصیبت زدہ انسان ہی کسی کی پریشانی اور دکھ درد کا صحیح اندازہ واحساس کرسکتا ہے، ورنہ ؂

جو ہے بے درد وہ درد دِلِ جاناں کیا جانے

(موسوعة الفقه الإسلامي المعاصر: ١/٢٩١)

روزہ کے جسمانی وروحانی مقاصد:

مشہور ومعروف مفکرِ اسلام ''علامہ ابوالحسن علی ندویؒ'' فرماتے ہیں کہ:

حیوانی طبیعت کے ہاتھ جب زندگی کی باگ ڈور آتی ہے تو وہ انسان کے حواس پر غالب آجاتی ہے، اور معدہ جو کہ انسانی زندگی کے لیے چکی کے کیل کی حیثیت رکھتا ہے جس پر انسانی زندگی کا مدار ہے ، جب اس میں فساد آتا ہے تو انسان کے ہوش وحواس ٹھکانے نہیں رہتے ، جس کی بناء پر انسانی طبیعت عبادت میں نہیں لگتی ، جب کہ عبادت میں دلجمعی اور توجہِ قلب الی اللہ (جو تمام عبادتوں کی جان ہے) ضروری ہے، اور یہ فسادِ طبیعت وفسادِ معدہ کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتی۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

☆ روزہ کے ذریعہ انسان کے اندر صفاتِ خداوندی پیدا ہوتی ہیں۔

☆ روزہ کے ذریعہ انسان گویا بے نیازی کا اظہار کرتا ہے۔

☆ روزہ کے ذریعہ انسان ملکوتی صفات کا خوگر بنتا ہے۔

☆ روزہ کے ذریعہ انسان دن بھر کے لیے فرشتہ صفت نظر آتا ہے۔

☆ روزہ کے ذریعہ انسان '' تخلقوا بأخلاق الله '' کا مظہر ہوتا ہے۔

علامہ ابن القیم جوزیؒ فرماتے ہیں:

☆ روزہ متقیوں کے لیے لگام، محاربین کے لیے جنت اور ابرار ومقربین کے لیے تہذیبِ اخلاق ہے۔

☆ روزہ اعضاءِ ظاہرہ وباطنہ کی حفاظت میں عجیب تاثیر رکھتا ہے کہ بدنِ انسانی سے فاسد اور مخلوط مادہ کو زائل کرتا ہے۔

☆ روزہ انسان کو خواہشاتِ نفسانی اور شہوات سے باز رکھتا ہے۔

☆ روزہ انسان کو تقویٰ کے اعلیٰ مراتب پر فائز کرتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مقاصدِ شرعیہ، فوائدِ طبیہ اور اسرارِ الٰہیہ ہیں جن کا عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم مشاہدہ کرتی ہے، اور یہ شہادت دیتی ہے کہ روزہ اللہ رب العزت کی طرف سے اس کے بندوں پر ایک احسانِ عظیم اور نعمتِ بے نظیر ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها﴾ ...... اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو احاطہ نہ کر پاؤ گے۔ (النحل:۱۸) (موسوعة الفقه الإسلامي المعاصر: ۱/۲۹۱)

کائنات کی تخلیق کے سلسلہ میں فلسفۂ قدیم اور سائنسی نظریات کی تردید اور اسلامی نظریہ تخلیق کا اثبات و احقاق

قسط 4

(یعنی) قبل المسیح پانچ سو سے لے کر بیسویں صدی تک کائنات کے بارے میں مشہور فلسفیانہ و سائنسی نظریات کی مکمل تردید اور اسلامی نظریہ تخلیق کائنات کا قرآن و حدیث اور علماء حق کے اقوال کی روشنی میں مدلل اثباتی بیان

حذیفہ وستانوی

مادہ پرستی کا عروج:

اپنے ڈیکارٹ کو مادہ پرستی کو عروج تک پہنچانے کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔ ویسے تو اگر دیکھا جائے تو وہ ملحد ہی تھی مگر جب گلیلو کو کنیسہ سے سزا دی تو وہ محتاط ہو گیا تھا۔ اور ذو معنیین کلام کرتا تھا۔ کبھی الحاد کی بات کرتا تھا اور ساتھ ہی سزا سے بچنے کے لیے دوسرے ہی لمحے وجود باری تعالیٰ کا بھی اقرار کرتا تھا اس کے چند الحادی خیالات حاضر ہے۔

کائنات کا ارتقاء میکانی قوانین سے ہوا ہے۔ (Lemonde بحوالہ تاریخ فلسفہ جدید ۲۴۵)

عدم سے وجود بر آمد نہیں ہو سکتا۔ (ایضاً ۲۵۰)

کوئی شخص خدا کے وجود کا ثبوت نہیں دے سکتا۔ (ایضاً ۲۵۷)

تاریخ فلسفہ جدید کا مصنف کہتا ہے کہ ''متاخرین میں سب سے پہلے ڈیکارٹ نے ارتقاء کا میکانکی نظریہ پیش کرنے کی کوشش کی۔ (ایضاً ۲۶۷)

وہ کائنات کی طرح عضوی زندگی کی بھی خاص میکانکی قوانین سے توجیہ کرتا ہے (ایضاً ۲۶۷)

بلکہ وہ تو حیوانات کی تمام فرائض وظائف اور اعمال کو بھی میکانکی اور غیر ارادی طریقے پر واقع ہونے کا قائل تھا اور کہتا تھا کہ حیوانات میں روح فرض کرے کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ بھیڑ کے بھیڑیے کو دیکھ کر بھاگنے کی بڑی مضحکہ خیز توجیہ پیش کرتا ہے کہتا ہے: کہ بھیڑ بھیڑیے کو دیکھ کر اس سے بھاگتا ہے کہ بھیڑیے کے جسم سے روشنی کی کرنیں اس کی آنکھ پر پڑتی ہے اور روح حیوانی کی منعکس موجوں سے بھیڑیے کے عضلات حرکت میں آجاتے ہیں اور وہ بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔ (ایضاً ۲۶۷) ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ''

ڈیکارٹ کے الحاد پر خود اہل یورپ گواہ ہیں۔ مثلاً فرانس کے ایک رومن کیتھولک

مصنف نے کہا کہ ’’فرانس نے خدا کے خلاف جو سب سے بڑا گناہ کیا وہ یہ ہے کہ ڈیکارٹ کو پیدا کیا۔

(مغرب اور عالم اسلام کی فکری وتبدیلی کشمکش ص ۲۱)

ڈیکارٹ کی نگاہ میں مادی دنیا کی تشکیل جدا جدا ٹکڑوں سے نہیں ہوئی وہ کسی بھی جوہری نظریے کو خاطر میں نہیں لاتا تھا، اس کے لے مادہ ایک مسلسل شے ہے، اور اس کی تقسیم ہونے کی صلاحیت لامتناہی ہے، اور مادہ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ اس بنیادی مادہ کی دو اہم شکلیں ہیں: ایک تو مادہ اول جو کہ لامتناہی اثر سے دنیا کی فضا کو پُر کیے ہوئے ہے اور دوسرا کثیف مادہ، جس سے دنیا کی تمام ٹھوس چیزیں بنی ہیں، یہ ٹھوس مادے ’’مادہ اوّل‘‘ کے توسط سے حرکت میں آتے ہیں چوں کہ ’’مادۂ اول‘‘ روحانی طور پر لاتعداد اور بھنوروں کی شکل کا بنا ہوا ہے، اس طرح ہر جسم اپنے بھنور پر گھومتا ہے، سورج ایک بڑے بھنور پر اور سیارے چھوٹے بھنور پر مادی چیزوں کی خصوصیتوں پر جو ڈیکارٹ نے کہا وہ ارسطو سے لے کر عیسائی مذہب کے نظریوں تک تمام مفروضوں سے ایک زبردست انحراف تھا، اس کی کائنات بھنور کی شکل کی تھی، اس نظریے سے کائنات کے بارے میں ارسطو اور عیسائی فکر کے جو مخلوط تصورات تھے ان سے جداگانہ ایک نیا کائناتی تصور وجود میں آیا۔ اس سے دنیا نہ صرف ہل گئی بلکہ دنیا کی ایک طرح سے ازسرِ نو تشکیل ہوئی، اس کے میکانکی نظریے سے فطرت سے متعلق محبت، محنت اور یہ نفرت کے جتنے مفروضے رائج تھے وہ سب رد ہوئے، ڈیکارٹ کے لیے فطرت ایک مشین تھی، جو ہر وقت حرکت میں رہتی تھی اور جس کی گردش اور روش مقررہ اصولوں کی بنا پر ہے جو آپس کی کشش اور دفع سے متعلقہ ہے، اپنی کتاب کے پانچوں باب میں ڈیکارٹ کہتا ہے کہ انسان جانوروں سے اس لیے منفرد ہے کہ انسان میں ایک نہ فنا ہونے والی روح ہوتی ہے، اور یہ روح یا ذہن صرف چیزوں کے سمجھنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ اس ذہن یا روح کا حواس سے ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے انسان کو بسیط مادے سے ممتاز کیا جاتا ہے اس ذہن یا روح کے سوا، انسان دوسرے جانوروں کی طرح ایک مشین ہے۔

اس طرح ڈیکارٹ نے ذہن پر گہرے طور سے غور کرنے اور خارجی مادے کی طرف نگاہ کرنے کی صلاحیتوں میں ایک دیوار حائل کر دی، اس نے یہ بھی نہیں بتایا کہ ذہن کس طرح

سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس نے ذہن کو خدا تعالیٰ کو ایک مبہم انداز سے سمجھنے کی صلاحیت کے سلسلے میں ایک وسیلہ بتایا، پھر اس نے ذہن اور مادے کے درمیان ایک نمایاں ثنویت کا نظریہ اختیار کیا، انسانی جذبات کو اس نے بے معنی اور نامعقول کہہ کر رد کیا اور انسانی خیال یا تصور کو اس نے ایک دھوکا قرار دیا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جس شخص کو کائنات کے تصور کا ایک وجدانی تجربہ ہوا ہو، جیسے ڈیکارٹ کو ہوا، وہ جدید فلسفے میں ذہن اور جسم کی ثنویت پیدا کرنے کا مرتکب ہوا۔ یہ وہ ثنویت ہے کہ جس نے ڈیکارٹ کے وقت سے آج تک اپنا اثر تمام انسانی فکر و خیال پر ڈال رکھا ہے، ذہن پر ڈیکارٹ کو اتنا بھروسا تھا کہ اس کو گمان تھا۔ کہ بستر پر پڑے پڑے تمام کائنات کا نقشہ یا خاکہ بنایا یا سمجھا جا سکتا ہے۔ (سرسید اور حالی کا نظریۂ فطرت ص ۱۶۱ تا ۱۶۲)

ڈیکارٹ کے بعد گوہابس نے اپنا نظریہ پیش کیا کہ دنیا محض حرکت کرنے والا ایک کرہ ہے اس کے بعد لاک نے نظریہ پیش کیا کہ کائنات اجسام کا ایک مجموعہ ہے جو ایک طے شدہ محور اور راستے پر خوبصورتی کے ساتھ چکر کاٹ رہے ہیں اور یہ گردش متعین اصولوں اور قوانین کے تحت ہوتی ہے جو واضح علل کے تابع ہیں۔

پھر نیوٹن نے کشش ثقل اور کائنات کے دیگر میکانکی رشتے اور علائق کے چند فارمولے اور پھر ان کی مدد سے دنیا اور کائنات میں ایک مرکزی نظریہ قائم کیا، اور مابعد الطبیعیات سے رابطہ قطع کر دیا۔ وہ استقرائی اصولوں کو علم ریاضی سے ملا کر جو حقیقتیں اس پر منکشف ہوتی اسی پر اکتفا کرتا تھا گویا نیوٹن نے استقرائی بنیاد پر جدید سائنس کی بنیاد ڈالی۔

سترہویں صدی کے ہولناک اثرات، اٹھارہویں صدی پر پڑے اور اس صدی میں سائنسی نظریوں اور ڈیکارٹ کے زیرِ اثر عقل پرستوں کو بہت فروغ حاصل ہوا، اور مغرب مذہب سے دور ہونے لگی اور کائنات کے نئے نئے نظریوں کی بنیاد وعلم حساب اقلیدس، طبیعات اور دیگر سائنسی مفروضوں رکھی جانے لگی اور مغربی انسان روحانیت سے ناطہ توڑ کر مادیت کی طرف رغبت کرنے لگا۔ اٹھارہویں صدی میں افادیت پسندی مذہب سے فرار اور رومانی تحریک کی بنیادیں قائم ہوئیں، جس کی وجہ سے یہ لادینیت کو فروغ حاصل ہوا اور بے ڈھڑک مابعد الطبیعات کا انکار کر دیا گیا۔

کائنات کی تخلیق کے بارے میں اس دور کے فلاسفہ کا کہنا تھا کہ کائنات ایک آن میں نہیں بنی بلکہ بتدریج اور رفتہ رفتہ وجود میں آئی شروع شروع میں مختلف بیجوں کا انبار تھا۔ جس میں آپس کے میل سے واضح صورتیں اور سیرتیں پیدا ہوئیں مٹی، پانی، ہوا اور آگ بڑھتی چلی گی، پتھروں اور معدنیات نے اپنے آپ کو ظاہر کرنا شروع کر دیا، آہستہ آہستہ پہاڑوں چوٹیوں نے شکل اختیار کی اور نباتات وجود میں آتے پھر حیوانات وجود میں اور پھر انسان جیسا کہ روبینٹ (Robinet) ۱۷۶۸ھ میں اپنی کتاب ''Considoration Philosophiques delagradation nathralle des forms di l,eth''میں بیان کیا ہے۔

(سرسید اور حالی کا نظریہ فطرت بتغییر یسیر ص ۱۸۰)

انیسویں صدی میں وہی گذشتہ صدی والے رجحانات کارفرما تھے یا یوں کہہ لیجے کہ ترقی کر رہے تھے، اب کہا جانے لگا کہ کائنات اور دنیا ایک عظیم میشن ہے جو مقررہ اصولوں کے مطابق چل رہی ہے اور انیسویں صدی میں کہا جانے لگا کہ حقیقت صرف مشاہدہ اور تجربہ سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اور تجربے حاصل ہوسکتی ہے۔ اسی صدی میں سائنس پرستی (Scientism) کی بنیاد پڑی۔ (ایضا ۱۹۹)

آگے بڑھنے سے پہلے ہم مختصراً اٹھارہویں صدی اور انیسویں صدی میں مغربی افکار پر حسن عسکری صاحب کا تجزیہ پیش کرتے چلیں تاکہ ان کے باطل افکار کے بارے میں بھی کچھ معلومات حاصل ہو جائے حسن عسکری فرماتے ہیں:

عام طور پر مشہور ہے کہ جدیدیت کا آغاز ۱۴۵۳ء میں ہوا جب ترکیوں نے قسطنطنیہ کو فتح کیا اور یونانی علماء اپنی کتابیں لے کر وہاں سے بھاگ کر یورپ میں پھیل گئے۔ یونان اور روم کے زوال کے بعد یورپ کا مردہ ذہن زندہ ہوا۔ مگر یہ بیان سراسر غلط ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ یونانی علوم ازمنہ وسطیٰ میں یورپ میں ثانوی حیثیت رکھتے تھے سب سے بڑا درجہ دینی علوم کا تھا۔ پھر پندرہویں صدی میں پہلا درجہ یونانی علوم کو دیدیا گیا اور یونانی علوم کو جو علوم وحی پر مبنی نہیں تھے بلکہ عقلی تھے اس کو اول درجہ دیدیا گیا اور علوم وحی کو ثانوی حیثیت دی گئی۔ لہٰذا جدیدیت یا نئی دنیا کی دریافت یا نشأۃ ثانیہ کا اصلی مطلب وحی سے بےزاری اور عقلیت اور انسانی علوم کی

فوقیت ہے۔ اسی لیے اس تحریک کا دوسرا نام انسان پرستی (Humanism) دیا جاتا ہے اس دور کی خصوصیات جو دراصل خرابیاں کہی جانی چاہیے وہ یہ ہیں:

ا/ عقلیات کو دینیات پر ترجیح۔ ۲/ انسان پرستی یعنی انسان کو ضرورت سے زیادہ مرتبہ دیدیا جاتا۔ ۳/ خدا پر ایمان محض رسمی ہو گیا۔ ۴/ آخرت اور دنیا کو ایک خانے میں رکھدیا گیا کہ دنیا بھی اصل ہے اور آخرت بھی۔ ۵/ دنیا نظروں کے سامنے ہے لہٰذا پہلے سب توانائیاں اسی کے لیے صرف کرنا آخرت نظروں سے اجھل ہے لہٰذا اس سے بے فکر رہنا۔ ۶/ یہ خیال بھی بہت رائج ہوا کہ خدا کی دو کتابیں ایک فطرت دوسری انجیل اور فطرت نام تھا عقلیت پرستی کا۔ ۷/ دنیا کی رنگینوں سے لطف اندوز ہونا ضروری قرار دیا گیا یعنی نفس پرستی کو جگہ دی گئی۔ ۸/ چیزوں کی حقیقت صرف مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہوتی ہے جو چیز حس میں نہ آسکے وہ بے اصل گویا مذہبی غیبیات کا انکار کردیا گیا۔ ۹/ قومیت کو خدائی کا درجہ دیدیا گیا۔ ۱۰/ اسی درو میں ایجادات کے گمنڈ میں کوپرنیکس کیلپر اور گیلیلو نے بطلیموسی نظام اور ارسطو کی طبعیات کو الٹ کر رکھدیا۔ ۱۱/ حقیقت وصداقت کے وجود کا انکار کیا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس دور کی سب سے بڑی خرابی انفرادیت پرستی ہے جو ان تمام چیزوں کو جڑ ہے یعنی ہر میدان میں چاہے مذہب ہو یا اخلاقیات معاشرت ہو یا معیشت ہر جگہ آخری معیار فرد کے تجربے کو قرار دیا گیا پچھلے پانچ سو سال میں مغرب میں جتنی بھی گمراہیاں پیدا ہوئی ان سب کے لیے انفرادیت پرستی بیج کی حیثیت رکھتی ہے، انفرادیت پرستی کا خلاصہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے بلکہ اپنے بڑے کی اطاعت سے بھی انکار گویا ابلیست کا نیا روپ پرستی ہے۔

(مستفاد از جدیدیت ص ۳۵ تا ۴۲)

آگے عسکری مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ سترہویں صدی کے وسط سے عقلیت پرستی یا جذبات پرستی کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ سترہویں صدی کا وسط تک لوگ انسان کی جدوجہد کا میدان مادی کائنات کو بنا چکے تھے اور انسان کا مقصد حیات عبادت وریاضت سے ہٹ کر تسخیر فطرت یا تسخیرِ کائنات ہو چکا تھا۔ بیکن نے تجربہ ومشاہدہ کو بنیاد ٹھہرا کر مطالعۂ فطرت کا طریقہ بھی

متعین کردیا تھا۔

سترہویں صدی کے بعد کے دور نے فیصلہ کیا کہ انسان صرف عقل پر بھروسہ کر کے تسخیر کائنات کا کارنامہ انجام دے سکتا ہے عقلیت پرستی کے اس دور میں یہ بات تسلیم کرلی گئی انسان کی رہنمائی بس عقل کرسکتی ہے۔

اس دور کے سب سے بڑے امام دو ہیں ایک تو فرانس کا فلسفی اور ریاضی داں دے کارٹ (Descartes) اور دوسرا انگلستان کا سائنس داں نیوٹن ۔ اول الذکر نے جسم اور روح مادہ اور روح کو ایک تسلیم کیا۔ اور ثانی الذکر نے کائنات میں نظریہ میکانیکیت پیش کیا۔ جس کے معنی ہے کائنات ایک بے جان مشین اور انسان انجینئر ،ان کی ان نظریات نے مغربی افراد پر بہت گہرا اثر چھوڑا اس کے بعد لاک (Locke) اور ہارٹلے (Hartley) نے اس میں مرچ و مسالہ ملایا۔ بارکلے نے ان نظریات کی تردید کی اور ایک نظریہ پیش کیا مثالیت (Idealism) اس کے بعد ہیوم (Hume) نے نظریہ تشکیک پیش کیا۔ اس کے بعد جب انقلاب فرانس کا واقع پیش آیا تو والٹر نے جو عقلیت پرستی کو فروغ دینے والا اور روسو کو جو جذبات پرستی اور فطرت پرستی کا علمبردار قرار دیا گیا ، پھر قانون فطر (Low of Narure) کا دور آیا اور فطرت کے نام خوب شور مچایا گیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات اور انسان محض مادے کے ذاتی عمل سے وجود میں آتے انہیں کسی مادی ہستی نے بالارادہ پیدا نہیں کیا۔ پھر نظریہ ارتقاء نے کیریلا وہ بھی نیم چڑھا کا محاروہ صحیح ثابت کیا۔ اسی لیے جرمن فلسفی کانٹ نے دعوی کیا ”مجھے مادہ مہیا کردو میں تم کو بتلادوں گا کہ یہ دنیا مادے سے کس طرح بنی ہے۔ ہیگل نے کہا کہ ”پانی کمیائی اجزاء اور وقت ملے تو وہ انسان کو پیدا کرسکتا ہے“ ۔ نطشے نے اعلان کیا کہ اب خدا! (العیاذ باللہ) مرچکا ہے پھر خدا شناشی (Deism) کا نظریہ وجود میں آیا کہ خدا کی معرفت کے لیے وحی کی ضرورت نہیں عقل کے ذریعہ خدا کی معرفت حاصل ہوسکتی ہے۔ غرض مغرب میں پہلے مذہب کی جگہ عقل کو پھر خدا کی جگہ معاشرہ کو اور پھر معاشرہ کی جگہ فرد کو دیدی گئی پھر عام سوجھ (Common Secse) کی پرستش ہونے لگی ۔ پھر انفرادیت پسندی (Individualism) کا ہوّا جان اسٹیورٹ نے کھڑا کیا۔ جس کا خلاصہ بھی الحاد یعنی

معاشرہ (العیاذ باللہ) خدا کی تخلیق نہیں بلکہ فرد سے بنا ہے۔ اس کے بعد مثالیت کو اہمیت دیدی گئی پھر اس کے بعد نامیت (Organism) کو ہربرٹ نے فروغ دیا یعنی معاشرہ کو مذہبی اقدار کی ضرورت نہیں نہ اخلاقی اقدار کی۔ فطری عوامل جو کچھ کرے وہ ٹھیک ہے۔ اسپنسر نے تو معاشرہ کو ''بقاء اصلح'' پر مرکوز کر دیا، یعنی جو ترقی کرے وہ صحیح اور جو نہ کرو وہ جہنم میں جائے۔ کونٹ (conte) نے فلسفہ ثبوتیت (Positivism) کی بنیاد ڈالدی، یعنی جو حواس میں آوے وہ صحیح ورنا سب غلط یعنی وحی روح خدا سب کا انکار پھر تاریخ پرستی (Historicism) کا بول بالا ہونے لگا۔ ہر چیز کا تاریخ کے سہارے مطالعہ کیا جائے۔ یہاں تک مذہب کا بھی مطالعہ تاریخ سہارے کیا گیا کہ پہلے جارو تھا۔ پھر مذہب آیا۔ پھر فسلفے کا اور اب سائنس اور علم جدید کا دور ہے یعنی عقل کا دور ہے۔ پھر آزاد اختلافیات (Libereal Ethics) کو وجود بخشا گیا پھر آزاد دینیات کو اس کے بعد آزادی خیالی (Free Thought) یعنی مذہب کی کھلم کھلا مخالفت کرنا اور اس میں شکوک وشبہات پیدا کرنا اس کو سب سے زیادہ تقویت نظریۂ ڈارون نے پہنچائی۔ (مستفاد از جدیدیت ومغرب وعالم اسلام کی فکری وتہذیبی کشمکش)

اس بحث کو زیادہ طول نہ دیتے ہوئے اب ہم بیسویں صدی کے مغربی نظریات پر بات کو سمیٹنے جا رہے ہیں ویسے تو مغرب کبھی بھی کسی صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچ سکا، اور نہ آئندہ پہنچنے کا امکان ہے۔ کیوں کہ بنیاد اور اساس کا اثر آخر کار، کارفرما ہوتا ہے۔ مغربی نظریات اور افکار کی بنیاد ہی عقلیت اور مادیت پڑی تو کیا وہ روحانیت کو پاسکیں گے؟ نیا سائنس ہو یا نیا فلسفہ یا نئی نفسیات ان سب میں ''عقل کلی'' ہی نہیں بلکہ ''عقل جزوی'' کا بھی انکار موجود ہے۔

اٹھارہویں صدی عقل جزوی کی پرتش کرتی تھی، انیسویں صدی جذبات پرستی کا شکار تھی اور بیسویں صدی جبلت اور جسم کو پوجتی ہے اور اسی کو روح سمجھنا چاہتی ہے۔ آج کل لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ موجودہ دور پھر مذہب کی طرف واپس آرہا ہے۔ مگر یہ خطرناک خیال ہے۔ کیوں کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی بے دینی بھی اصل دین کے لیے ایسی زہریلی نہیں تھی جیسی یہ نئی مذہبیت ہے۔ لہٰذا تمام نئے فلسفوں اور نئے سائنسدانوں سے چوکنا رہنا لازمی ہے۔

(جدیدیت ص ۷۰،۷۱)

بیسویں صدی کے آغاز میں دو امریکی فلسفی زیادہ مشہور ہوئے۔ ولیم جیمز اور جان ڈیوئی انہوں نے ''عملیت'' (Pragmatism) کا نظریہ پیش کیا۔ یعنی ہر خیال کا صحیح ہونا مادی زندگی کے اوپر اس کے اثرات ونتائج پر موقوف ہے۔ اس نظریہ نے فلسفہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر اس نے ''تحت الشعور'' کا نظریہ پیش کیا یعنی انسان پر عقل کے بجائے جبلتیں حکومت کرتی ہے۔ گویا روح یا نفس کا بھی انکار کر دیا گیا۔ پھر ولیم نے ایک اور اصطلاح گھڑ لی ''مذہبی تجربہ'' اس فکر کے مطابق مذہب کی روح نہ عقائد نہ عبادات بلکہ اصل چیز جذباتی تلاطم اور مکاشفات ہے۔

پھر ایک اور فلسفی ظاہر ہوا ''برگسان'' اس نے ''وجدان'' کا نظریہ پیش کیا اس کے نذر ایک عقل سے مراد عقل معاشی ہے۔ یہ بھی مادیت کی انتہا ہوگئی۔ پھر اس نے ''تخلیقی ارتقاء'' کا تصور پیش کیا یعنی ''فطرت'' اور ''حیات'' اپنے اندر ایسی قوت رکھتے ہیں جس سے ارادہ اور شعور دونوں حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی ڈارون نے تو صرف ''ارتقاء'' کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی کہ کائنات اور انسان کا ظہور ارتقاء طریقے سے ہوا۔ گویا خالق کا انکار کیا مگر برگساں کے کہنے کے مطابق فطرت اور حیات خود اپنی ذات سے زندہ ہے اور اپنے ارادے سے عمل ترقی کرتے ہیں گویا اس نے تو اللہ تعالیٰ کی ''ربوبیت'' کا بھی انکار کر دیا جو صریح شرک اور کفر ہے۔

گویا اب ''مادے'' سے ہٹ کر سائنس ''توانائی'' یا حیات کی طرف منتقل ہوگی بلکہ مادے کا نام بدل کر اس کو سیال اور بجلی کی لہر کے مانند قرار دیدیا۔ اس دور میں عقل پرستی کے ساتھ انسان پرستی کا بھی زوال ہوا۔

تعارف

جامعہ ملیہ اسلامیہ (المسجلہ)

بیاد

حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

حضرت سید نفیس الحسینیؒ
شاہ صاحب رحمہ اللہ

☆ جامعہ ہذا حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ نے قیام پاکستان کے بعد قائم کیا۔

☆ جامعہ ہذا میں طلباء وطالبات کیلئے علوم دینیہ کی تعلیم کا مکمل انتظام ہے۔

☆ جامعہ ہذا میں وفاق المدارس کے نصاب کے ساتھ بی اے تک تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔

☆ جامعہ ہذا میں بیرونی طلباء بھی قیام پذیر ہیں، ان کے قیام وطعام اور جملہ اخراجات کا جامعہ کفیل ہے۔

☆ جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اور نہ ہی جامعہ کی کوئی جائداد ہے۔

☆ جامعہ کے اخراجات آپ حضرات کی مخلصانہ توجہ، تعاون اور دعاؤں سے پورے ہوتے ہیں۔

لہٰذا تمام اہل اسلام سے گزارش ہے کہ

زکوٰۃ، صدقات، عطیات،
صدقۃ الفطر اور چرمہائے قربانی

سے جامعہ کے طلباء کی امداد فرمائیں۔

ترسیل زر بنام **مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی**

مہتمم **جامعہ ملیہ اسلامیہ** محلہ خالصہ کالج، فیصل آباد فون 041-8711569

MONTHLY MAGAZINE

Millia

JAMIA MILLIA ISLAMIA

FAISALABAD PAKISTAN

Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@hotmail.com Fax # 041-8502213